رحمٰن جامی

نام کتاب :	میکدہ (شاعری)
نام شاعر :	رحمٰن جامی
تعداد :	ایک ہزار
سنہ اشاعت :	جنوری ۲۰۰۳ء
انتخاب :	پروفیسر غنی نعیم
ترتیب :	عائشہ صدیقہ
کتابت :	محمود سلیم (فون: ۴۴۱۴۳۰۹) یوسف رضا (فون: ۳۵۲۴۹۴۸)
سرورق	فرہاد تمکنت
شاعر کا اسکیچ	ڈاکٹر دل ہاشمی
قیمت :	ایک سو پچھتر روپیے (Rs. 175/-) (تیس ڈالر)
طباعت :	SAI SPANDANA PRINTERS PH : 7560077
زیر نگرانی :	جعفر جری

ملنے کے پتے: (۱) رہائش گاہ شاعر: "الحرا" قاری صاحب لین، ہل کالونی مہدی پٹنم، حیدرآباد-۲۸ (فون: ۳۵۳۲۳۴۹)

(۲) بکڈپو انجمن ترقی اردو، گلشن حبیب، اردو ہال، حمایت نگر، حیدرآباد۔

(۳) حسامی بکڈپو، ۱۲۵ مچھلی کمان، حیدرآباد۔

(۴) اے ون اسٹیشنری، فرسٹ لانسر، حیدرآباد-۲۸

انتساب

اپنے چچاؤں کے نام ۔

بڑے چچا میاں ـــــ محمد عبدالوہاب قاری مرحوم
صدر مدرس گنگا دتی جو شاعر بھی تھے
اور پہلوان بھی۔ بچپن میں مجھے پہلوانی سکھلائی تھی۔

چھوٹے چچا میاں ـــــ محمد تقی برق مرحوم
جو دکن کے مشہور شاعر مخدوم کے ہم جماعت
تھے اور خود بھی بہت اچھے شاعر تھے اور صفی
کے شاگرد تھے۔ ہمیشہ میری ہمت افزائی کیا
کرتے تھے ۔

سلام چچا ـــــ میرے خسر جو
مجھے بے حد چاہتے تھے۔

بھائی میاں غلام محمد فاضل ۔
جو خاندان کے سب سے بڑے بھائی تھے ۔
زمانۂ طالب علمی میں رسائل و کتابیں میرے لئے
خرید کر لاتے تھے اس طرح میرے ذوق کی پذیرائی
بھی کی اور میری شاعری کی ہمت افزائی بھی۔

قیوم خالد ـــــ (کینیڈا)

ترتیب

رُسوائی میرے ساتھ ہے توبہ کے بعد بھی
جامی ملا ہے مجھ کو یہ انعامِ میکدہ

مُناجاتؑ

○

آگہی دی ہے بے خودی دیدے
چیز اب میرے کام کی دیدے

آدمی کو نہیں تمیز اپنی
آدمی کو خود آگہی دیدے

حُسن کو تو نے بے رُخی دی ہے
عشق کو بھی قلندری دیدے

ہو اثر دِل پہ سُننے والے کے
بات میں میرے دِلکشی دیدے

ہر کوئی اِن کو سُن کے جی اُٹھے
میرے شعروں میں زِندگی دیدے

خود جو تڑپے تو سب کو تڑپائے
دِل کو کچھ ایسی بے کلی دیدے

مَیں گِروں بھی تو سر بلند رہوں
مجھ کو ایسی قلندری دیدے

بے طلب بے شمار جامیؔ کو

منقبت

نعتیں

مَرحبا مَرحبا حضورؐ مرے
ہیں رَسُولِ خُدا حضورؐ مِرے

احمدِ مجتبیٰ حضورؐ مِرے
سیّدالاصفیاء حضورؐ مِرے

بَن کے آئے ہیں رحمتِ عالم
سَب کے ہیں رہنما حضورؐ مِرے

آپ کی دِید کے لئے کب سے
ہے خُدا سے دُعا حضورؐ مِرے

دونوں عَالَم ہیں آپؐ کی خاطر
مالکِ دوسَرا حضورؐ مِرے

جو مریض آیا آپؐ کے دَر پر
ہوئی اُس کو شفا حضورؐ مِرے

گھُپ اندھیرے کو جو مِٹاتی ہے
آپکی ہے ضِیا حضورؐ مِرے

آپؐ کے نقشِ پا کے صَدقے میں
مَیں ہوں حق آشنا حضورؐ مِرے

ہر زَمانہ ہے آپ کا محتاج
آپؐ خیرالوریٰ حضورؐ مِرے

مَیں نے پہچانا آپؐ سے اُس کو
ہے جو میرا خُدا حضورؐ مِرے

آپکے پاس ہے جہاں بھر میں
ہر مَرَض کی دَوا حضورؐ مِرے

بے سہاروں کا ساری دُنیا میں
آپ ہیں آسرا حضورؐ مِرے

نام جسکا ہے جامیؔ مشہور
ہے غُلام آپکا حضورؐ ...

چل کے جنّت میں جائیگا جامیؔ
[illegible]

۱۵

غزلیں

شہادت حسینؓ کی

یوں ہی نہیں ہے دہر میں شہرت حسینؓ کی
ہے بے مثال جگ میں شہادت حسینؓ کی

قربانیوں کا ذکر جو ہوتا ہے رات دن
ہر روز بڑھتی جاتی ہے عظمت حسینؓ کی

وہ دل ہے سب سے قیمتی وہ دل ہے بیمثال
جس دل میں بس گئی ہے محبت حسینؓ کی

اسلام کے بچانے کو خود کو مٹا دیا
کس درجہ بے مثال ہے جرأت حسینؓ کی

تھا راہِ حق میں ساتھ بہتّر کا قافلہ
دنیا رکھے گی یاد قیادت حسینؓ کی

سادات کی غلامی میں مومن کی شان ہے
اپنی جگہ اٹل ہے سیادت حسینؓ کی

اس واسطے ہے فخر مسلمانی پر ہمیں
جامیؔ ہمارے ساتھ ہے نسبت حسینؓ کی

○

یارب سبھی پہ تیرا ہمیشہ کرم رہے
میری دُعا ہے آنکھ کسی کی نہ نم رہے

سُرخی ہمارے نام کی ہر دم بنی رہی
لوگوں میں سربلند ہمیشہ سے ہم رہے

دُنیا کو میرے غم کا پتہ ہی نہ چل سکا
جتنے ستم تھے اُس کے بشکلِ کرم رہے

کوئی بھی وار یار کا خالی نہیں گیا
اُس کے ستم کی مشق کو لے دے کے ہم رہے

اُس سے مقابلہ تو بہر حال ہے ہمیں
جبتک بدن میں خوں رہے سینے میں دم رہے

اُن کے دلوں میں بُغض و عداوت ہے، اِن دنوں
ہم تو یہ چاہتے ہیں محبت بہم رہے

مِلنا مِلانا تجھ سے نہیں ہے نہیں سہی
نظروں کے سامنے تو مِرے کم سے کم رہے

جامیؔ انا ہماری بڑی سربلند ہے
آگے کبھی کسی کے نہ سر اپنا خم رہے

○

آدم ہے نہ حوّا ہے زماں ہے نہ زمیں ہے
وہ کون ہے جو کُن میں مگر پردہ نشیں ہے

مانا کہ نہیں ہُوں ترے الطاف کے قابل
تو پھر بھی مرے حال سے غافل تو نہیں ہے

بندہ ہوں ترا غیب پہ ایمان ہے میرا
اوروں کو نہ ہو، مجھ کو مگر تیرا یقیں ہے

شاہوں کے بھی تاجوں کو لگا دیتا ہے ٹھوکر
یہ بندۂ ناچیز جو اِک خاک نشیں ہے

تھا ہند کی جانب مرے آقا کا اِشارہ
خوشبُوئے محبّت تو ہمیشہ سے یہیں ہے

مانا کہ مرا لُٹ گیا سرمایہ خوشی کا
اِک درد کی دولت تو ابھی میرے قریں ہے

احباب کے برتاؤ کو مَیں کیسے بھُلاؤں
بیکار تسلّی گئی دِل پھر بھی حزیں ہے

آسان نہیں راہِ وفا دیکھ کے جانا

○

سر پہ اپنے چھت کا ہونا بھی ضروری ہے بہت
گھر نہ ہو تو زندگانی بھی ادھوری ہے بہت

یُوں تو کہنے کو ہیں وہ نزدیک بھی میرے مگر
بے رُخی اتنی بڑھی مجھ سے کہ دُوری ہے بہت

دیکھتے ہی دیکھتے یہ عُمر پُوری ہو گئی
یہ ادھوری زندگی بھی آج پُوری ہے بہت

آخرِ شب گھُپ اندھیرے کے سِوا کچھ بھی نہیں
اِک تمہاری یاد ہی لے دے کے نُوری ہے بہت

دَورِ جمہوری ہے لیکن لیڈروں کے درمیاں
ہر جگہ ہر پارٹی میں جی حضُوری ہے بہت

ہے سلیقہ مند دشمن اپنے ہر اِک کام میں
اِک ہمارے کام میں ہی بے شعوری ہے بہت

اُس کی ہی بخشی ہوئی جاگیر ہیں یہ رُسوائیاں
آج بھی تم پر فِدا اک راجکوری ہے بہت

○

اِس دَور میں لاج شریفوں کی سچ یہ ہے ذرا محفوظ نہیں
کیا نکلیں گھر سے باہر ہم دستار و قبا محفوظ نہیں

ہر روز توازن بگڑا ہے ہر روز نیا اِک جھگڑا ہے
جو آب و ہوا تھی جینے کی وہ آب و ہوا محفوظ نہیں

دِل میں تو تعصب ہے اُن کے باہر سے جتاتے ہیں چاہت
ہے ساری سیاست ووٹوں کی وعدوں کی اَدا محفوظ نہیں

ہم سے بھی پیار جتاتے ہیں اُن سے بھی ہاتھ مِلاتے ہیں
کچھ شرم و حیا محفوظ نہیں اَب رسمِ وفا محفوظ نہیں

مالی ہی کی نیت ٹھیک نہیں روداد چمن بس اتنی ہے
مت پھول کھِلا اَب عصمتِ گُل اے بادِ صبا محفوظ نہیں

جو اَمن کے طالب بندے ہیں کیوں جنگ مُسلّط ہے اُن پر
اِس حال میں عزّت انساں کی اَے میرے خُدا محفوظ نہیں

کیسی ہے نمائش طاقت کی ہر دِن میں ظلم کی ظلمت ہے

○

اُجڑ کر بھی نشانِ گلستاں خود کو سمجھتا ہوں
لہو دیتا ہوں اِس کو، باغباں خود کو سمجھتا ہوں

کمالِ شعر رکھتا ہوں، جواں خود کو سمجھتا ہوں
ہمیشہ سے جنوں کا رازداں خود کو سمجھتا ہوں

سدا مَیں دِل کی سُنتا ہوں تو کرتا بھی ہوں من مانی
وہ ناداں ہوں کہ پھر وجہِ زیاں خود کو سمجھتا ہوں

نِکالا مجھ کو جنّت سے خدا کی مہربانی نے
لہٰذا آج تک خُلد آشیاں خود کو سمجھتا ہوں

مَیں زندہ ہوں ہزاروں زخم کھا کر بھی محبت میں
نہ جانے کیوں مَیں اپنا مہرباں خود کو سمجھتا ہوں

ہوں وارث قیس کا، اور عصر کی لیلیٰ کا ہوں عاشق

بنا کر شاخِ نازک پر نشیمن چار تنکوں کا
چمن میں صرف اہلِ آشیاں خود کو سمجھتا ہوں

میں اپنی موت سے ڈرتا نہیں ہوں اسلئے جامیؔ
سدا آزاد زیرِ آسماں خود کو سمجھتا ہوں

مرے اشعار خود ہی ہیں مرا نام و نشاں جامیؔ
مگر میں تو ترا نام و نشاں خود کو سمجھتا ہوں

○

اِقرار کے اِنکار کے ڈھب یاد رہیں گے
اندازِ کرم آپ کے سب یاد رہیں گے

وہ آپ کے سب غیض و غضب یاد رہیں گے
ہاں اپنی محبّت کے سبب یاد رہیں گے

اِحسان جتاتے ہی رہیں گے وہ ہمیشہ
اِحسان ہمارے انہیں کب یاد رہیں گے

پھر آپ نے سب ظلم و ستم یاد دلائے
ہم بھول چکے تھے مگر اب یاد رہیں گے

دریا کا کنارہ وہ شبِ ماہ وہ ہم تم
تا عمر وہ لمحاتِ طرب یاد رہیں گے

وہ پیاس وہ صحرا کی تپش اور سفر میں
کچھ لوگ ہمیں جان بلب یاد رہیں گے

محفوظ نشستیں ہیں مساوات کہاں ہے
سرکار کو کب نام و نسب یاد رہیں گے

ہیں سب سے جدا سب سے الگ اس کے علاوہ
حامیؔ مرے قصے ہیں عجب یاد رہیں گے

○

صرف باتوں سے بہل جانے کا قائل تو نہیں
دِل مرا سادہ ہے احساس سے غافِل تو نہیں

وار کرتا ہے نظر سے یہی قاتِل تو نہیں
چوٹ کھا کر جو تڑپتا ہے مرا دِل تو نہیں

شور و غُل بڑھتا ہی جاتا ہے مرے کانوں میں
دِل میں جو ہے وہی طوفاں لبِ ساحِل تو نہیں

بسترے کھول دیئے قافلے والوں نے جہاں
سچ تو یہ ہے وہ مرے نام کی منزِل تو نہیں

سامنا ہو تو پتہ بھی چلے پھر کون ہے کیا
مَیں نے مانا کہ کوئی میرے مقابِل تو نہیں

محفلیں اور بھی ہیں حُسن و ادا کی لیکن
تیری محفل کی طرح اب کوئی محفِل تو نہیں

ہم تو تیار ہیں اِک حشر اُٹھانے کے لئے
آپ خود ہی کسی طوفان سے غافِل تو نہیں

دُور ہی سے نظر آجاتا ہے جامیؔ تیرا

○

وہ ظلم کرتے تو ہیں روز و شب نہیں کرتے
کہیں یہ کیسے کہ کب کرتے کب نہیں کرتے

ہمارے دور کے بچّوں کی یہ بھی ہے تخصیص
"تنک مزاج بڑوں" کا ادب نہیں کرتے

بغیر مانگے وہ دیتے بھی کب ہیں حق اپنا
یہ بات بھی ہے بجا ہم طلب نہیں کرتے

سب اہلِ دل ہیں سبھی پیار کرنے والے ہیں
عمل وفا کا مگر سب کے سب نہیں کرتے

کتاب جو بھی ملے شاعری کی پڑھتے ہیں
کسی کتاب کو ہم منتخب نہیں کرتے

طریقِ عشق میں چھوٹا بڑا نہیں ہوتا
کہ ہم تفاوتِ نام و نسب نہیں کرتے

ہمیشہ کرتے ہیں ہر بات کام کی جامی

○

جب حُسن طرفدار ہے کیوں خواب نہ دیکھوں
دِل حامِلِ اِقرار ہے کیوں خواب نہ دیکھوں

اِنکار کی صُورت نظر آتی نہیں کوئی
اُس شوخ کا اصرار ہے کیوں خواب نہ دیکھوں

کیا بات ہے کیسے مجُھے مَنزِل نہ مِلے گی
جب راستہ ہموار ہے کیوں خواب نہ دیکھوں

ٹوٹے گا اگر خواب تو پھر ٹھیس لگے گی
دِل تو مرا غمخوار ہے کیوں خواب نہ دیکھوں

تعبیر کی پَروا نہیں تعبیر ہو کچھ بھی
بس تم سے مجھے پیار ہے کیوں خواب نہ دیکھوں

کیوں اپنا بنانے کی نہ سوچوں کوئی ترکیب
ماحول سزاوار ہے کیوں خواب نہ دیکھوں

کیا میرا بگاڑے گی جو دُنیا ہے مخالف

○

وہ شخص بے وفا تھا شکایت کروں تو کیا
مجھ کو تو سب پتہ تھا شکایت کروں تو کیا

دل نے گواہی دی تھی کہ سچ بولتا تھا وہ
تو نے بھی سچ کہا تھا شکایت کروں تو کیا

توبہ کے بعد میرے گنہ سارے دھل گئے
میں اپنی ہی سزا تھا شکایت کروں تو کیا

تم نے نہ پوچھا آیا تھا در پر تمہارے کیوں
میں تم سے بھی ملا تھا شکایت کروں تو کیا

گھر سے نکل کے آپ ہی اپنی نگاہ میں
بے آبرو ہوا تھا شکایت کروں تو کیا

خاموشی چیخ اٹھی تو آئے وہ پوچھنے
طوفاں گزر گیا تھا شکایت کروں تو کیا

جامیؔ میں خود ہی اپنا عدو تھا یہی ہے سچ
میں کشتۂ انا تھا شکایت کروں تو کیا

○

کیا کہیئے کہ اَب کیا ہُوئے سچ بولنے والے
اِس دَور میں عنقا ہوئے سچ بولنے والے

ویسے بھی بڑی مَصلحت اندیش ہے دُنیا
ہر دَور میں رُسوا ہُوئے سچ بولنے والے

ہمراہ تھی جھُوٹوں کی یہاں بھیڑ ہمیشہ
ہر حال میں تنہا ہوئے سچ بولنے والے

اِک تشنگی آنکھوں میں ابھی تک بھی ہے باقی
ٹوٹا ہُوا سپنا ہوئے سچ بولنے والے

ہر بار گنہگاروں میں بدکاروں میں گھِر کر
اتنا ہی تماشہ ہوتے سچ بولنے والے

تھی سر پہ کڑی دھوپ محبّت کے سفر میں
اور نیم کا سایہ ہوئے سچ بولنے والے

جب تیرہ شبی چھٹ گئی احساس ہوا یہ
سورج کا اُجالا ہوئے سچ بولنے والے

اب نام فقط اُن کا ہے ہر ایک زباں پر
آپ اپنا ہی چرچا ہوئے سچ بولنے والے

حق گوئی کی منزل کا پتہ چل گیا جامیؔ
اللہ کا رستہ ہوئے سچ بولنے والے

(بقیہ دُنیا)

یہ دُنیا ساتھ ہی میرے نشے میں لڑکھڑاتی ہے
مَیں گرتا ہوں گراتی ہے مَیں اُٹھتا ہوں اُٹھاتی ہے

ہیں اپنے بھی تماشائی پرائے بھی تماشائی
تماشہ کرکے یہ دُنیا ہمیشہ آزماتی ہے

تمنّاؤں کے سارے زخم دُنیا کے بدن پر ہیں
کہیں جب چوٹ پڑتی ہے تو خود ہی بلبلاتی ہے

یہ دُنیا تو اکیلا چھوڑ دیتی ہے مصیبت میں
جو تم ہنستے ہنساتے ہو تو یہ ہنستی ہنساتی ہے

کمر میں ہاتھ دے کرناچتی ہے تال پر دُنیا
ہمیں بھی ناچ تگنی کا محبّت میں نچاتی ہے

یہی تو اس کی عادت ہے یہی ہے ریت دُنیا کی
جو اِس کا ساتھ دیتا ہے اُسی پر جسر ڈھاتی ہے

بُرے جبتک تھے ہم جاگی تو دُنیا ہم سے ڈرتی تھی

○

آئینہ زندگی کو دِکھانا نہیں پڑا
اپنا تعارف آپ کرانا نہیں پڑا

فضلِ خُدا سے سب مرے احباب ساتھ تھے
دُشمن سے مجھ کو ہاتھ مِلانا نہیں پڑا

ٹھکرا دی میں نے اُسکی عنایت کی پیشکش
شاخِ اَنا کو اپنی جھکانا نہیں پڑا

محفل میں دیدِ یار کی حسرت نکل گئی
مجھ کو درِ حبیب پہ جانا نہیں پڑا

شعروں سے میرے زیر ہوئی اُسکی بے رُخی
مجھ کو کوئی کمال دِکھانا نہیں پڑا

روزِ ازل سے جاگا ہوا تھا مرا ضمیر
ہر مرحلے پہ اس کو جگانا نہیں پڑا

جا تی ہیں اُسکے دِل میں تھا پہلے سے جاگزیں

○

غموں سے اِستفادہ کر رہا ہُوں
محبّت کا اِعادہ کر رہا ہُوں

ترے نقشِ قدم سے دُور ہٹ کر
الگ تعمیرِ جادہ کر رہا ہُوں

ترے ہر کام کو نیکی سمجھ کر
زیادہ سے زیادہ کر رہا ہُوں

ڈھکے تن بھی مِلے عزّت بھی جِس سے
وہ تہذیبِ لبادہ کر رہا ہُوں

کِسی سے داد بھی لینی ہے مجھ کو
بیانِ شعر سادہ کر رہا ہُوں

ہمیشہ سچ اُگلوا تا رہا ہے
تبھی تعریفِ بادہ کر رہا ہُوں

وہ جِس سے کھا چکا ہوں مات جامی

○

کیا بتاؤں کہ کیا ہے ٹی وی میں
وقت ضائع ہُوا ہے ٹی وی میں

فلم میں اَب نہیں ہے دلچسپی!
اِک حسیں سِلسلہ ہے ٹی وی میں

سیدھے گھر آرہے ہیں دفتر سے
اَب تو دل کھینچتا ہے ٹی وی میں

بوڑھے، بچے، جوان سَب خوش ہیں
سارے گھر کا مزا ہے ٹی وی میں

کوئی بے کار اب نہیں رہتا؟
ہر کوئی جُٹ گیا ہے ٹی وی میں

عشق کی انتہا خُدا معلوم
حُسن کی ابتداء ہے ٹی وی میں

اِس بہانے قریب آئے ہیں
کام کا فاصلہ ہے ٹی وی میں

کوئی اتوار اب نہیں خالی

○

تیرا خیال بھی ترے جانے سے آیا ہے
پھر دردِ دل بھی تیرے ٹھکانے سے آیا ہے

وہ اجنبی تھا اجنبی رہتا تمام عمر
اِخلاص میرے ہاتھ مِلانے سے آیا ہے

اچھے بُرے میں فرق بھی کرنے لگا ہے وہ
اُس میں بھی یہ شعور جگانے سے آیا ہے

تو وقت ہے تو مَیں بھی ترے ساتھ ساتھ ہوں
اس بات کا خیال زمانے سے آیا ہے

توبہ کرانے آیا تھا مَے پی رہا ہے خود
زاہد بھی کس حسین بہانے سے آیا ہے

پہلو میں اپنے پاس بٹھالو کہ آخرش
جامیؔ تمہارے پاس بلانے سے آیا ہے

جامیؔ بھی ہے امیر کہ یہ دھن بھی اس کے پاس

○

کھرے تو ہے کھٹکے سانچ
سانچ کو کب ہے کوئی آنچ

سچّائی کو مت جھٹلا
تین اور دو ہوتے ہیں پانچ

گھر جو جلے ہمسائے کا
آئے گی تجھ تک بھی آنچ

کچھ تو نتیجہ نکلے گا!
شاگردوں کے پرچے جانچ

اُس کو منزل تک پہنچا
جھوٹے کی بھی کر لے جانچ

اپنے دِل تک آنے دے
میرے دِل کی تپتی آنچ

ٹوٹ نہ جائے لفظوں سے

○

زمینوں پر شجر اچھے لگے ہیں
شجر پر پھر ثمر اچھے لگے ہیں

اُجالوں نے مجھے پہچان دی ہے
تو یہ شمس و قمر اچھے لگے ہیں

حسین پھُولوں پہ یہ شبنم کے قطرے
کبھی لعل و گہُر اچھے لگے ہیں

تری دُنیا کو سر کرنے میں یارب
مجھے یہ بحر و بر اچھے لگے ہیں

مسُافر جب بھی لوٹے ہیں سفر سے

ہے گھر کی آبرو اِن سے سلامت
سدا دیوار و در اچھے لگے ہیں

گناہوں پر رہا کرتے ہیں نادِم
خدا کو بھی بشر اچھے لگے ہیں

خدایا ان میں بھی ہے شان تیری
ترے شام و سحر اچھے لگے ہیں

میں اُڑتا پھر رہا ہوں اِن پہ حامی
خیالوں کے یہ پَر اچھے لگے ہیں

○

مرکزِ دہر ذات میری ہے
رشکِ دُنیا حیات میری ہے

یہ زمیں یہ فلک یہ بحر و بر
یہ حسیں کائنات میری ہے

میری خاطر نکلتا ہے سورج
دن ہے میرا یہ رات میری ہے

ورقِ گُل پہ شعر ہیں میرے
بات بھی پات پات میری ہے

سچ کی صُورت کہی ہے جس نے بھی
سچ تو یہ ہے وہ بات میری ہے

کیا ہُوا اگر نہیں مرا قبضہ
پھر بھی کُل کائنات میری ہے

تیری قسمت ہو یا مری جاگی

○

میرے خط کے جواب میں رکھنا
پھول کوئی کتاب میں رکھنا

ہم کو آتا ہے تنہا راتوں میں
تیرا چہرہ ہی خواب میں رکھنا

تجھ سے شرما کے چھپ نہ جائے کہیں
چاندنی ماہتاب میں رکھنا

جھیل پر آکے میرے پیچھے سے
عکس تم اپنا آب میں رکھنا

چاند سورج کو اور تاروں کو
تم یونہی رعب داب میں رکھنا

کامیابی کی شرطِ اوّل ہے
خود کو تم احتساب میں رکھنا

اپنے شعروں میں باندھ کر جامیؔ
سب کو اک انقلاب میں رکھنا

○

چُپ ہُوئے کر کے شور دروازے
ہو گئے خود ہی "بُور" دروازے

جتنا ہوتا ہے خوفِ رُسوائی
اُتنا کرتے ہیں شور دروازے

حوصلے کی ذرا ضرورت ہے
ٹوٹ جائیں گے چور دروازے

ناز سے تمکنت سے کھُلتے ہیں
بنک کے سود خور دروازے

جب بھی آتے ہیں وہ دبے پاؤں
کرنے لگتے ہیں شور دروازے

کھولنے سے بھی اب نہیں کھُلتے
ہو گئے ہیں کٹھور دروازے

اُس پہ کھُلتے ہیں یہ سدا جامیؔ
جس سے ملتے ہیں زور دروازے

سُندر مُکھڑا تیرا چہرہ
پیارا پیارا تیرا چہرہ

بے گانہ بے گانہ سا ہے
دیکھا بھالا تیرا چہرہ

مجھ پر بگڑا بگڑا سا ہے
اچھا خاصا تیرا چہرہ

سب کے دل میں گھر کرتا ہے
سیدھا سادھا تیرا چہرہ

پچھلی شب کا چاند ہے جیسے
اُترا اُترا تیرا چہرہ

تو میرا ہے مَیں تیرا ہوں
آئینہ سا تیرا چہرہ

جتنا سچّا اُتنا جھوٹا
جھوٹا سچّا تیرا چہرہ

جامی اب لگتا ہے مجھ کو
میرا چہرہ تیرا چہرہ

○

جتنی سچائیاں ہماری ہیں
اُتنی تنہائیاں ہماری ہیں

جن سے ہم ڈر رہے ہیں اب تک بھی
وہ تو پرچھائیاں ہماری ہیں

شہرتوں کے عوض زمانے میں
ساری رسوائیاں ہماری ہیں

ڈوب جاتے ہیں جن میں اکثر ہم
دل کی گہرائیاں ہماری ہیں

رُت ہے یہ آپ سے جُدائی کی
غم کی پُروائیاں ہماری ہیں

کھیل رَچتا ہے اُن سے چھُپنے کا
اَب بھی انگنائیاں ہماری ہیں

ہے بصارت بھی اور بصیرت بھی
اَب یہ پہنائیاں ہماری ہیں

ہر بُرائی سے ہم نمٹ آئے
یہی اچھائیاں ہماری ہیں

ہم نشیں جب سے وہ ہُوئے جامیؔ
بزم آرائیاں ہماری ہیں

○

تمہاری یاد جو آئی تو دے کے آہ گئی!
بنا کے درد کو اپنا یہاں گواہ گئی

پلٹ کے آؤ گے تم اس لیئے یہ حسرت دیاس
تمہارے پیچھے بڑی دور تک نگاہ گئی

مِلا کے چھوڑ دیا آخرش محبت نے
تمہارے گھر ہی گئی جو ہماری راہ گئی

وہ آرزو جو دبے پاؤں آئی تھی دل میں
بنا کے مجھ کو مرے دل کا بادشاہ گئی

نہ چھوڑا ہم کو کہیں کا تمہاری اُلفت نے
جدائی دے کے قیامت کا انتباہ گئی

یہ سچ ہے ہم نے بھی اکثر نبا ہی ہے اس سے
ہمارے ساتھ بھی یہ زندگی نباہ گئی

وہ ایک لڑکی سمجھتے تھے نا سمجھ جس کو
ہمارے شعر پہ وہ کر کے واہ واہ گئی

ملی تھی راہ میں رسوائی جو ہمیں جا ملی

○

مخاطب اُس نے کیا مجھ کو آپ کہ کے تو کر کے
تکلف اُٹھ گیا آج اُس سے گفتگو کر کے

فرشتے کھاتے ہیں قسمیں تمہاری پاکی کی
تمہارا نام لیا میں نے بھی وضو کر کے

یہ انقلاب تمہاری نظر سے آیا ہے
زمانہ گزرا ہے شغلِ مئے و سبو کر کے

کچھ اور بڑھ گئیں رسوائیاں محبّت میں
ملا ہے کیا ہمیں تہذیبِ آبرو کر کے

زمانہ دوست نظر آئے گا خُدا کی قسم
خود اپنے آپ کو دیکھو کبھی عدو کر کے

یہ مَیں نے مانا کہ بنجر زمین ہے لیکن
خُدارا دیکھئے کچھ صُورتِ نمو کر کے

مجھے ہے تم سے محبّت قسم سے اَے جامیؔ
یہ بات اُس نے کہی مجھ کو رُو برو کر کے

صبر کرتا ہوں تو احساسِ زیاں بولتا ہے
چُپ جو رہتا ہوں تو پھر سارا جہاں بولتا ہے

خاک ہونے کو ہے اب دِل کی خبر بھی لے لو
دِل سے اُٹھتا ہُوا آہوں کا دُھواں بولتا ہے

سُن کے ہوتا ہوں سُبک سیر کہ وہ شوخ کبھی
لفظ ارزاں ہیں تو چُن چُن کے گراں بولتا ہے

تیرے بارے میں سب انجان ہوئے جاتے ہیں
پُوچھتا ہوں تو کوئی آکے کہاں بولتا ہے

اُوڑھ لیتا ہے یقیں مصلحتاً چُپ کا لحاف
اُس گھڑی سچ کی ہر اِک بات گماں بولتا ہے

گفتگو سُنتا ہوں تیری ہی یہاں شام و سحر
کچھ نہ کچھ مجھ سے ترا خالی مکاں بولتا ہے

چاندنی میں جو کبھی آنکھ مچولی ہے رچی
تو کہاں ہے ترا ایک ایک نشاں بولتا ہے

مِل کے مسرور ہُوا آج بہت جاپانی سے
وہ بھی میری ہی طرح اردو زباں بولتا ہے

کچھ لوگ یہاں مُردہ ضمیروں کی طرح ہیں
جو زندہ ہیں وہ بھی تو اسیروں کی طرح ہیں

اِس مُلک میں اپنی ہے دِل وجاں پہ حکومت
ہیں شاہ مگر پھر بھی فقیروں کی طرح ہیں

دیتے ہیں مثال آج بھی کچھ لوگ ہماری
انصاف کے میداں میں نظیروں کیطرح ہیں

ہیں دِل کے غریب ایسے بھکاری سے بھی بدتر
کچھ لوگ بظاہر تو امیروں کی طرح ہیں

کچھ اور نہیں پاس تو رکھتے ہیں حوالہ
معمولی سے نیتا ہیں وزیروں کی طرح ہیں

رکھ دیتے ہیں اُنگلی سدا دکھتی ہوئی رگ پر
کچھ لوگ بھی دُنیا میں شریروں کیطرح ہیں

ہم جان بھی دے دیتے ہیں ایمان پہ جامیؔ
اِس دیس کی تقدیر میں ویروں کی طرح ہیں

جُز قدر داں اِن کی کوئی قیمت نہیں لگتی
جامیؔ کے یہ اشعار بھی ہیروں کی طرح ہیں

○

کبھی ہم کو ہُنرمندوں کی خامی کاٹ کھاتی ہے
حسینوں میں یہی شئے بن کے خوبی کاٹ کھاتی ہے

سبھی کو حق پہنچتا ہے یہاں محفوظ رہنے کا
ستم جب سہہ نہیں پاتی تو چیونٹی کاٹ کھاتی ہے

پُرانی ہوتے ہوتے ہم مزاجی آہی جاتے گی
نئی ہوتی ہے تو اپنی ہی جُوتی کاٹ کھاتی ہے

محبّت میں مرا دل ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا آخر
محبّت میں سُنا تھا جلد بازی کاٹ کھاتی ہے

کسی بھی جھوٹ کا ہوتا نہیں دِل پر اثر کوئی
رہے یہ یاد اکثر بات سچّی کاٹ کھاتی ہے

نہ مارو بند کر کے راستہ ہر چور بِلّی کا!
وگرنہ پالتو بِلّی بھی اپنی کاٹ کھاتی ہے

تڑپتا رہتا ہوں یوں ہی مُسلسل صبح ہونے تک
شبِ فُرقت کسی کی یاد آ کاٹ کھاتی ہے

○

عمر بھر یوں ہی بیش و پس میں رہے
ہم بھلا کب خود اپنے بس میں رہے

ہم رہے اس طرح سے دُنیا میں
جیسے پنچھی کوئی قفس میں رہے

کون دُشمن ہے اور دوست ہے کون
کچھ تو احساس ہم نفس میں رہے

پھول تو پھول ہیں مگر پھر بھی
کچھ تو اعزاز خار و خس میں رہے

ہائے دُنیا اور اس کی رنگینی
محو سب اس کے رنگ رس میں رہے

ہم تو وحدانیت کے قائل ہیں
لوگ کچھ اور کی ہوس میں رہے

لوگ گھیرے رہے ہمیں جامی
ہم بھی ہر وقت آٹھ دس میں رہے

○

خود اپنے ہی سر کو تم بے تاج نہ کر دینا
گم اپنے ہی ہاتھوں سے یہ راج نہ کر دینا

حق اُس کا بھی بنتا ہے ہر شئے میں برابر کا
خود اپنے ہی بھائی کا اخراج نہ کر دینا

یہ آج ہمارا ہے جی لینا اسے جی بھر
جو بات ہے کل والی وہ آج نہ کر دینا

چرواہوں سے کہہ دینا سب کھیت ہمارے ہیں
کٹنی ہیں کھڑی فصلیں تاراج نہ کر دینا

جو فصل اُگاتا ہے حق پہلا اُسی کا ہے
کہیں اُس کو ہی دانے سے محتاج نہ کر دینا

جو کام کا عادی ہے کچھ اور نہ کر بیٹھے
مصروف اُسے رکھنا بے کاج نہ کر دینا

من مانی کرے گا پھر کرسی کے نشے میں وہ
سرپنچ کو گاؤں کا سرتاج نہ کر دینا

مَیں کیا کروں کہ مِری زِندگی تناؤ میں ہے
کہ جیت میری اُسی شوخ کے سبھاؤ میں ہے

جو اُس کے شر سے گزرتے ہیں کس سے ڈرتے ہیں
یہ بات سچ ہے کہ دُنیا ہی کاوِکاؤ میں ہے

نہ جانے کب وہ مِرے دِل کا ماجرا پوچھے
مَیں کیا بتاؤں کہ کیا اُس کے بھید بھاؤ میں ہے

ہوائیں تھم گئیں لیکن ابھی ہے اِک خطرہ
کہ آگ تھوڑی سی باقی ابھی الاؤ میں ہے

اُسے منانا ہے ناراض ہو گیا ہے وہ
مزہ تو جینے کا اَب اُسکے من مناؤ میں ہے

کما کے لایا ہے بیٹا ریال جدّہ سے
اور اَب لٹانے کا فن بھی اُسی کماؤ میں ہے

اکیلا مجھ کو ہی بازار کرنا ہے جامیؔ
مَیں جانتا ہوں کہ بازار اُس کے بھاؤ میں ہے

کاوِکاوَ : زخم کھجانا، تفتیش، کوشش

نیکوں کے راستے کا ہیں پتھر منافقین
تکلیف دیتے رہتے ہیں اکثر منافقین

جلوے تونگری کے جگاتے ہیں رات دن
وہ بھی لہو غریب کا پی کر منافقین

دھوکا، فریب، مکر کی چل چل کے اپنی چال
دنیا میں ہو گئے ہیں تونگر منافقین

کھودا ہے جس گڑھے کو گریں گے اسی میں خود
اک روز خود ہی کھائیں گے ٹھوکر منافقین

حالت کبھی تھی ان کی کہ تتلا رہے تھے یہ
کہلا رہے ہیں اب جو سخنور منافقین

اپنی حسد کی آگ میں جلتے ہیں روز و شب
ہوتے ہیں خاک آپ ہی جلکر منافقین

جامیؔ انہیں معاف کیا میں نے باخدا
پھیلا رہے ہیں جو بھی ہر اک شر منافقین

○

حق میں ہمارے بن گئی اِک جور احتیاط
جس دِن سے آپ کرنے لگے اور احتیاط

تھم تھم کے احتیاط سے ملنے لگے ہیں وہ
پیشِ نظر ہے اُن کے بھی فی الفور احتیاط

کترا رہے ہیں ہم بھی، ہوئے جب سے غیر وہ
اب وہ بھی کر رہے ہیں بہر طور احتیاط

جس دِن سے میں نے تیرا تعارف کرا دیا
کرتے ہیں لوگ خود ہی بصد غور احتیاط

جب سے گِلہ کیا ہے محبت سے آپ نے
کرنے لگا ہے آپ سے اِک دَور احتیاط

اب وہ بھی احتیاط پہ مجبور ہو گئے
ہوتی نہیں ہے جن سے کسی طور احتیاط

دیکھا جو میرا حال تو عبرت ہوئی انہیں
کرنے لگے ہیں اب وہ بِلا غور احتیاط

اچھے بُرے میں فرق کوئی اب نہیں رہا
جامیؔ بُرا ہے آج کا یہ دَورِ احتیاط

○

دِل وَالوں کا اِحسان نظر آتا ہے
پھر جِینے کا اِمکان نظر آتا ہے

مُحتاط رہیں اہلِ محبّت اَب کے
بَربادی کا سامان نظر آتا ہے

خاموشی یہی کہتی ہے سنّاٹے سے
اُٹھتا ہُوا طُوفان نظر آتا ہے

اَب دِل کے بھی حالات نہیں پہلے سے
اَب دِل بھی پَریشان نظر آتا ہے

یہ قُربِ قیامت کے ہیں آثار کہ اَب
ہر آشنا انجان نظر آتا ہے

کہتے ہیں کہ سودا ہے دِلوں کا اِس میں
نقصان ہی نقصان نظر آتا ہے

واشنگٹن و نیویارک کے پس منظر میں
اِنسان بھی شیطان نظر آتا ہے

وہ خطۂ کشمیر کہ جنّت تھا کبھی
اَب جنگ کا میدان نظر آتا ہے

اُردو کا ہے قاتِل بھی وہی اَے جامیؔ
جو شخص نگہبان نظر آتا ہے

○

تجھ سے جب بات کیا کرتا ہوں
ضبط کے سات کیا کرتا ہوں

رہنماؤں سے بچا کر دِل کو
نذرِ حالات کیا کرتا ہوں

جن کا مِلتا نہیں دُنیا سے جواب
وہ سوالات کیا کرتا ہوں

رات کو دِن میں بدلنے کیلئے
دِن کو پھر رات کیا کرتا ہوں

ضبط ہوتا نہیں جب اِس دِل سے
تجھ سے ہیہات کیا کرتا ہوں

اپنے حالات پہ تو جشن منا
مَیں غمِ ذات کیا کرتا ہوں

دِل جو لگتا ہے تو مَیں تیرا ہی
ذِکر دِن رَات کیا کرتا ہوں

گفتگو دِل کی، تصوّر میں سہی
مَیں ترے سات کیا کرتا ہوں

میرے حصّے میں جو آتی ہے خوشی
اُس کو خیرات کیا کرتا ہوں

اِک تمہی دوست ہو میرے جَامیؔ
تم سے ہر بات کیا کرتا ہوں

○

عہد و پیماں سے مُکرنا نہیں آتا ہم کو
اجنبی بن کے گزرنا نہیں آتا ہم کو

اِسقدر بکھرے ہیں رہ رہ کے تری فرقت میں
مِل کے اب اور بکھرنا نہیں آتا ہم کو

احتجاج آپ سے کرنے میں بھی رُسوائی ہے
اِس لئے آہ بھی بھرنا نہیں آتا ہم کو

صرف منزل پہ پہنچ کر ہمیں دم لینا ہے
راہ میں تیری ٹھہرنا نہیں آتا ہم کو

اِس بلندی پہ خُدا نے ہمیں پہنچایا ہے

آئینے کی بھی ضرورت نہیں باقی اب تو
ایسے بگڑے ہیں سنورنا نہیں آتا ہم کو

کیا ڈرائے گی یہ دُنیا ہمیں کیا جانتی ہے
اِک خُدا کے سِوا ڈرنا نہیں آتا ہم کو

ہر گھڑی یاد کئے جاتے ہیں غم سہہ سہہ کر
جانے کیوں تم کو بِسرنا نہیں آتا ہم کو

وقت کوئی ہو، جگہ کوئی ہو، اک سچ کے سِوا
کام جو آئے کوئی کرتا نہیں آتا ہم کو

○

(میرے شاگرد مشہور مزاحیہ شاعر انیژھ بھونگیری کی فرمائش پر)

دوست مخلص نہ دوستی مخلص
دشمنوں کی ہے دشمنی مخلص

آشنا اب نہیں کوئی مخلص
ہو تو ہو کوئی اجنبی مخلص

اب تو ڈھونڈے سے بھی نہیں مِلتا
شہر میں کوئی آدمی مخلص

یہ جو دشمن بنی ہوئی ہے مری
ہے حقیقت میں زندگی مخلص

جب بھی ٹھوکر لگی تو یہ جانا
آگہی ہے کبھی کبھی مخلص

بعد توبہ کے یاد آتی ہے!
تھی کبھی اپنی بے خودی مخلص

آزما کر بھی دیکھ لو جامیؔ
یوں تو کہنے کو ہیں سبھی مخلص

○

کوئی تسکین کا ساماں بہم پہنچا نہیں سکتا
خوشی کیا دے سکے گا وہ جو غم پہنچا نہیں سکتا

مجھے جو بات کہنی تھی وہ میں نے زیرِ لب کہہ دی
جو ہے بین السطور اس کو قلم پہنچا نہیں سکتا

قبول افتد زہے عزّ و شرف یہ جان و دلِ میرے
تمہارے واسطے اب اِس سے کم پہنچا نہیں سکتا

زباں ہے بند اب آنکھوں سے دِل کی بات کہنی ہے
پیامِ دِل بشکلِ چشمِ نم پہنچا نہیں سکتا

تمہاری بے رُخی نے خود بہم پہنچا دیا دِل کو
اب اِسکے بعد مَیں رنج و اَلم پہنچا نہیں سکتا

سُنا الحاج ہیں اب مولوی رحمٰن حاجی ہیں
مَیں اپنے شعر اُن تک محترم پہنچا نہیں سکتا

○

اَب کھیت اُگائے ہیں تو بس کام کرینگے
کٹ جائے گی جب فصل تو آرام کرینگے

نکلے ہیں بنا رختِ سفر صبح سویرے
منزل پہ پہنچ کر ہی میاں شام کرینگے

سب معنوی اولاد ہیں شاگرد ہمارے
لگتا ہے ہمارا یہ بہت نام کرینگے

اِلزام لگانے سے تو حق مِٹ نہیں سکتا
ہم حرفِ غلط سارے ہی اِلزام کرینگے

ہیں اپنے مُخالِف بڑے کم ظرف اب اُن سے
اُمّید یہی ہے ہمیں بدنام کرینگے

ق

منصب بھی ہمارا یہی مقصد بھی یہی ہے
دُنیا میں محبّت کو سدا عام کرینگے

دُنیا میں ہم آئے تو اسلام کی خاطر
ہر کام یہاں صورتِ اسلام کریں گے

ہم حسنِ سُلوک اور محبّت سے ہی جامی
جو اپنا مُخالِف ہے اُسے رام کرینگے

○

بابری مسجد کے انہدام کے سلسلے میں لبرہان کمیشن پر نام نہاد نیتاؤں کے بیانات کی روشنی میں

کر کے اِقرار جھوٹ بولیں گے
آپ ہر بار جھوٹ بولیں گے

جھوٹ ہی پر توجی رہے ہیں وہ
کیوں نہ دِلدار جھوٹ بولیں گے

کیا توقع ہے سچ کی، یہ اُن کے
ہیں طرفدار جھوٹ بولیں گے

جھوٹ کے کاروبار ہیں ان کے
بیچ بازار جھوٹ بولیں گے

سچ تو یہ ہے ہمارے بارے میں
آپ سرکار جھوٹ بولیں گے

وہ عمارت گرا چکے سچ کی
اب "نرادھار" جھوٹ بولیں گے

وہ ہمیشہ کی طرح اب کے بھی
ہیں یہ آثار جھوٹ بولیں گے

جھوٹ ان کا ہے مذہب و مسلک
یہ بالاصرار جھوٹ بولیں گے

نیکو کاروں سے دشمنی ہے انہیں
ہیں گنہ گار جھوٹ بولیں گے

حق پہنچتا نہیں انہیں لیکن
بن کے حقدار جھوٹ بولیں گے

لیبران اس سے خوب واقف ہیں
سارے سردار جھوٹ بولیں گے

فیصلہ پھر بھی ہو نہ پائے گا!
پڑھ کے اخبار جھوٹ بولیں گے

خون میں ان کے جھوٹ ہے جاری
یہ ہیں خونخوار جھوٹ بولیں گے

اخبار ٹی وی ریڈیو

اَب کہاں بے سُود ہیں اخبار ٹی وی ریڈیو
رنگِ ہستِ بوُد ہیں اخبار ٹی وی ریڈیو

جھوٹی خبریں جھوٹی باتیں بھی تو شامل اِن میں ہیں
پھر بھی کب مردُود ہیں اخبار ٹی وی ریڈیو

پیٹ بھر کھانیکے لالے پڑگئے ایسے میں بھی
یار کو مقصُود ہیں اخبار ٹی وی ریڈیو

گاؤں میں اور شہر میں کیا فرق باقی رہ گیا
ہر جگہ موجُود ہیں اخبار ٹی وی ریڈیو

گاؤں گاؤں قریہ قریہ ہوگیا اِنکا چلن
اب کہاں مفقُود ہیں اخبار ٹی وی ریڈیو

جزوِ لاینفک بنے ہیں زندگی کی راہ میں
شاہد و مشہود ہیں اخبار ٹی وی ریڈیو

آگ لگ جاتی ہے اندر سے دھواں اُٹھتا نہیں
آتشِ بے دُود ہیں اخبار ٹی وی ریڈیو

زندگی گویا اجیرن ہوگئی احباب کی
جب سے یہ مسدود ہیں اخبار ٹی وی ریڈیو

عقل والوں کے لئے رحمٰن جامی ہر جگہ
باعثِ بہبود ہیں اخبار ٹی وی ریڈیو

○

صبح لینا ہے شام لینا ہے
مجھ کو اللہ کا نام لینا ہے

اِس لئے یہ جہاں بنایا گیا
اُس کو بندے کام لینا ہے

طنز کرتا ہے وہ مگر اُس کا
مُسکرا کر سلام لینا ہے

ساقیا ہاتھ کو نہ زحمت دے
تیری آنکھوں سے جام لینا ہے

اَے خُدا تیری اِس خُدائی میں
مجھ کو اپنا مقام لینا ہے

پیار سے کہہ رہے ہیں وہ جاؤ
آپ سے اِنتقام لینا ہے

○

ہے یاد اِک بوجھ چھاتی پر نہ رکھنا
تم اپنے دل پہ یہ پتھر نہ رکھنا

تمہارے بعد لڑکے لڑ پڑیں گے
پڑھانا اُن کو ، مال و زر نہ رکھنا

یہ دُنیا تو ہے کھیتی آخرت کی
تم اس دُنیا میں کوئی گھر نہ رکھنا

مناظر ہی میں سب یادیں چھپی ہیں
لِکھا ہوں میں کوئی منظر نہ رکھنا

بناتے رہنا سب کا حال بہتر
خود اپنا حال ہی بہتر نہ رکھنا

نہیں ہے ٹوٹنے والی یہ توبہ
مِرے آگے بھرا ساغر نہ رکھنا

مجھے تو اُس نے بے گھر کر دیا ہے
خُدایا تو اُسے بے گھر نہ رکھنا

جلا کر خاک کر دے گا تجھے بھی
تو دل میں پیار کا خاور نہ رکھنا

ہے سب اونچائی میرے سر سے جاؔمی
خدا سے ہٹ کے نیچا سر نہ رکھنا

○

بہت ہو چکی بے خودی گھر چلو
بہکنے لگی آگہی گھر چلو

درِ میکدہ بند ہونے کو ہے
ابھی بڑھ گئی تشنگی گھر چلو

یہ آوارگی اب بہت ہو چکی
تھکن خود ہی کہنے لگی گھر چلو

جو تھی چیز اپنی شناسا مگر
وہ اب ہو گئی اجنبی گھر چلو

سرِ شام دہلیز پر ماں کرے
مسلسل تقاضہ ابھی گھر چلو

چمکنے لگے پھر سے دیوار و در
بُلانے لگی زندگی گھر چلو

چلو آؤ رحمٰن جامی کہ اب
ہُوا رت جگا تو پھٹی گھر چلو

O

میں بے پناہ نہیں ہوں پناہ تیری ہے
مری طرف جو کرم کی نگاہ تیری ہے

ہے تیری یادوں سے آباد یہ خرابہ بھی
یہ دِل ہے میرا کہ آماجگاہ تیری ہے

مجھے تو چلنا اِسی پر ہے جو بھی ہو انجام
جو ہو کے دار سے جاتی ہے راہ تیری ہے

اکیلا میں ہی ہوں مُجرم تِری عدالت میں
یہ دِن بھی اور یہ شب بھی گواہ تیری ہے

میں لڑ رہا ہوں لڑائی خلاف باطِل کے
ہر ایک شعر مِرا اَب سِپاہ تیری ہے

ہے اَب تو تو ہی سفید و سیاہ کا مالک
یہ زِندگی بھی سفید و سیاہ تیری ہے

گُناہ کرتا رہا مَیں سمجھ کے ہے نیکی
گُناہ میرا تمیزِ گناہ تیری ہے

اکیلی پہنچی ہے مجھ تک تمام تر دُنیا
جو دِل سے نِکلی ہے میرے وہ آہ تیری ہے

امیر ہو گیا جاؔمی سُنا ہے یہ جب سے
دلِ غریب کی یہ بارگاہ تیری ہے

○

(غزل برائے یادِ اکمل)

(۲۷ جولائی ۱۹۹۶ء بزم نور گولکنڈہ)

یہاں میرا حسنِ ظن ہے وہاں اُس کی بدگمانی
بڑی کھل رہی ہے اب تو اُسے میری بے زبانی

مِری شاعری کی عظمت ہے فقط تری محبت
یہی آخری بچی ہے ترے ہجر کی نشانی

جو ہے دِل میں درد مندی مِرے ساتھ ہے بلندی
مَیں اگرچہ ہوں زمینی مِرا گھر ہے آسمانی

مَیں کھڑا ہوں آج تنہا کہیں کھو گیا ہے رستہ
ابھی کل کی بات ہے یہ مِرے ساتھ تھی جوانی

لِکھی جا رہی ہے جب سے پڑھی جا رہی ہے اب تک
ترے ظلم کے مقابِل مِرے پیار کی کہانی

کرو اس کی تم حفاظت ہو وہ انجمن کہ خلوت
کہ خُدا کی ہے امانت یہ ہماری زِندگانی

مِری زندگی میں جا کی ہے عجیب آزمائش
کئی دِن سے ہو گئی ہے مجھے خود سے بدگُمانی

○

(تمام تر مطلعوں پر مشتمل)

ذہنِ رسا کا ساتھ ہی اب بار بار ہے
دِل ہے تمہارا اس پہ کِسے اختیار ہے

اِس دِل کو آج تک بھی ترا انتظار ہے
دیدار کو ترے یہ بہت بے قرار ہے

حسنِ نظر پہ تم کو اگر اعتبار ہے
"آنکھیں حسین ہوں تو خزاں بھی بہار ہے"

کہنی نہیں تھی بات وہی آشکار ہے
دشمن ہے اب وہی جو مرا رازدار ہے

منزل کے آس پاس جو گردو غبار ہے
قاصد کے ساتھ قافلۂ جاں نثار ہے

جامیؔ پہ مجھ کو اس لئے صد افتخار ہے
توبہ کے بعد رحمتِ پروردگار ہے

○

آج بھی اقرار ہے
مجھ کو تم سے پیار ہے

کام اس کو دیجئے
آدمی بے کار ہے

حکم ہے اب اِلتجا
اب کیسے انکار ہے

مجھ کو میرا ہی وجود
راہ کی دیوار ہے

جھوٹ کی دنیا میں اب
زندگی دُشوار ہے

دیکھ کر رستہ چلو
راستہ پُرخار ہے

دشمنِ اُردو یہاں
اپنی ہی سرکار ہے

حوصلہ تو ہے بہت
آگہی درکار ہے

آج بھی ستّو مر گئے
ایک کا اظہار ہے
جھوٹی خبروں سے بھرا
آج کا اخبار ہے
ق

ذکرِ جامیؔ پر کہا
وہ تو اپنا یار ہے

○

پھر وہی بن جائیے
آدمی بن جائیے

آئیے آکر مِری
زندگی بن جائیے

میں بڑا نادان ہوں
آگہی بن جائیے

آشنائی کے لئے
اجنبی بن جائیے

مَیں تو دیوانہ ہی ہوں
آپ بھی بن جائیے

شعر میں ڈھل کر مِری
شاعری بن جائیے

۷۷

لائیے پھر ہوش میں
بے خودی بن جائیے

بولنا ہی ہے اگر
خامشی بن جائیے

شعر کہنا ہے مجھے
نغمگی بن جائیے

کیجئے جامیؔ کرم
آدمی بن جائیے

○

حسن سے عاشقی سے ملے
آج ہم زندگی سے ملے

آنکھوں آنکھوں میں باتیں ہوئیں
بولتی خامشی سے ملے

سچ کہوں ایک مدت ہوئی
آدمی آدمی سے ملے

اپنی عظمت بڑھی اور بھی
جس قدر سادگی سے ملے

اپنی دیوانگی بڑھ گئی
جب بھی ہم آگہی سے ملے

کھل گیا سب خوشی کا بھرم
غم ہوا جب خوشی سے مِلے

ہر کوئی یوں بھی مصروف ہے
کوئی کیسے کِسی سے مِلے

اَب کے مل کر کچھ ایسے لگا
جیسے اِک اجنبی سے مِلے

سَاز بجنے لگے خود بخود
آپ کیا نغمگی سے مِلے

جَامیؔ صَاحب رِسالوں میں ہم
آپ کی شاعری سے مِلے

○

آ گئی ہے رات بھی
کر لیں دل کی بات بھی

آپ بھی ہیں غمزدہ
غم ہے میرے سات بھی

اب ہے پینے کا مزہ
آ گئی برسات بھی

نام بھی ہے معتبر
اپنی ہے اوقات بھی

مجھ سے بے پروا لگی
مجھ کو میری ذات بھی

کچھ نہ کچھ کر کے دکھا
پاؤں بھی ہیں ہات بھی

بینڈ بھی بجنے لگا
چل پڑی بارات بھی

نام اللہ کا لیا
ٹل گئیں آفات بھی

دَور ہے دیکھو بُرا
کہتے ہیں حالات بھی

شعر جا آمی کے سہی
ہیں مری سوغات بھی

نظمیں

آزاد نظم

مَیں سوچتا ہوں

مَیں ایک شاعر ہوں۔ سوچتا ہوں
مَیں سَب سے افضل ہوں۔ (آدمی ہوں)
مَیں کیا بتاؤں!
وطن میں اپنے ہی اجنبی ہوں

جو دیکھتا ہوں
تو سارے کشمیر میں دُھواں ہے
جو تھی محبّت وہ اب کہاں ہے
یہ کیسا آتش فشاں پھٹا ہے
یہ کیسا لاوا اُبل رہا ہے
کہ وقت کروٹ بدل رہا ہے

پڑوس میں بھی سکون کب ہے
الگ سے آئینہ ہم کو لنکا دکھا رہا ہے
کراچی دوزخ بنا ہوا ہے
مہاجروں نے جہاں بنایا تھا آشیانہ
جلا یا صیّاد نے ٹھکانا

مَیں ایک شاعر ہوں ۔ سوچتا ہوں
غیورِ افغان کیسے چنگل میں پھنس گیا ہے
تڑپ رہا ہے
تڑپ رہا ہے

میں ایک شاعر ہوں ۔ سوچتا ہوں
عراق و کویت
جو خود کشی کر رہے ہیں
قسطوں میں مر رہے ہیں
جو گورے تاجر ہیں
کیسے شاطر ہیں
دور بیٹھے لڑا رہے ہیں
کہ گویا ان کو جگا رہے ہیں
مگر حقیقت میں زہر دیکر سُلا رہے ہیں

مَیں ایک شاعر ہوں ۔ سوچتا ہوں
غلام بن کر رہے گا یہ آفریقہ کب تک
کبھی تو کالے کریں گے گوروں کی رہنمائی
کبھی تو ہوگی شعور کی قید سے رہائی

مَیں ایک شاعر ہوں۔ سوچتا ہوں
نیا فلسطین کب بنے گا
اِدھر ہے لبنان بے سہارا
اُدھر ہوا لیبیا اکیلا

مَیں پوچھتا ہوں
کہاں ہیں انصاف کرنے والے
مَیں جانتا ہوں
نہیں ہیں کوئی اندھیری رہ میں اُجالا بنکر ٹھہرنے والے
مَیں جانتا ہوں
وہ جن کو مرنے کا ہے سلیقہ نہیں ہیں ہرگز وہ مرنے والے

بولتی خامشی

جانے کیوں مَیں دیکھ کے تم کو خوش ہوتا ہوں
جانے تمہارے چہرے میں کیا حُسن چھُپا ہے
جانے تمہاری آنکھوں میں جادو ہے کیسا
یوں لگتا ہے
سرتاپا یہ جسم تمہارا بول رہا ہے
لیکن جب تم مُنہ سے اپنے کچھ کہتے ہو
جب بھی تمہارے لب ہلتے ہیں
یوں لگتا ہے
جیسے مَیں نے
ایک حسیں نغمے کے بدلے چیخ سُنی ہو
تم مت بولو
لب مت کھولو
تم خاموش بہت اچھے ہو

یہ طرزِ زیب و آرائش

فریبِ رنگ و بو نے ہر طرف جادو جگایا ہے
اب ایسے میں حقیقت آشنا ہونا بھی مشکل ہے
یہ رنگ و نور کی محفل یہ جلوے اور یہ تابانی
یہ طرزِ زیب و آرائش
یہ پیراہن، نمائش جسم کی
حُسن و ادا کی یہ فراوانی
حسینوں کا شعارِ تنگ دامانی
حقیقت میں ہے یہ اس دَور کا احساسِ محرومی
خود اپنے آپ سے بھی ہو گئے اس درجہ بیگانہ
انہیں آئینہ دکھلاؤ تو یہ خود کو نہ پہچانیں

گریزاں

ایک حسیں لمحہ گزرا تھا
جس میں کسی نے
مجھ سے وفا کا عہد کیا تھا
جس کی یاد قیامت بن کر
میرے دل کو کتنے دھوکے دے جاتی ہے

پھر بھی مرا دل
ذہن کو اپنا دوست بنا کر
کھول کے امیدوں کا دریچہ
"شہرِ بتاں" سے آنے والے ہر جھونکے سے
حال کسی کا پوچھ رہا ہے
پوچھ رہا ہے
کیا میرا بھی نام کبھی اُس کے ہونٹوں پر
آجاتا ہے
لیکن اِس پر
شہرِ بتاں سے آنے والا ہر جھونکا
خاموشی سا یوں ہی گزر جاتا ہے

یہ دلِ ناتواں
جانے کتنی اُمیدوں کا تھا پاسباں
کیا اُمنگیں تھیں
کیا آرزوئیں تھیں اس کی جواں
کتنے ہی امتحاں
اُس نے ہنس کر دیئے
کتنے ہی معرکے
اُس نے ہنستے ہوئے سر کئے
زندگی جیسے اس کے لئے کھیل تھی

اب وہی دل
نہ جانے ہُوا اس کو کیا
چھوٹی چھوٹی سی باتوں پہ اب رات بھر
دن میں بھی بیشتر
سوچتا رہتا ہے
جانے کیا سوچتا رہتا ہے
اور اب
زندگی جیسے اس کے لئے قید ہے

کُشادگی

مَیں نے بڑھ کر
کھول دیئے ہیں
سَب دَروازے
اَپنے دِل کے
بند جو اَب تک کر رکھے تھے
کچھ انجانے سے لوگوں پر
کیوں کہ سب نے
زخم لگائے تھے اس دِل پر
مَیں نے اُن کو
دِل کے دریچوں سے دیکھا تھا
زخم لگاتے

پھر بھی مَیں نے
سارے دریچے کھول دیئے ہیں

سَب ہی کو ہے میری ضرورت
سَب ہی رستہ بھول گئے ہیں
پگ پگ ٹھوکر کھانے لگے ہیں
مَیں نے بڑھ کر تھام لیا ہے
اُن کو جو گرنے والے تھے
جن میں کچھ تو اپنے ہی تھے
دیکھو مَیں نے کھول دیئے ہیں
سَب دروازے
تازہ ہوائیں آنے لگی ہیں

ادراک

آگے پیچھے دائیں بائیں
سب اپنے ہیں سب ہیں پرائے
کون اپنا ہے کون پرایا
کس کے ساتھ ہے کس کا سایہ
ہم واقف تھے جن لفظوں سے
اب ان کا مفہوم ہے اُلٹا
جو سچّا ہے وہ جھوٹا ہے
جو جھوٹا ہے وہ سچّا ہے

تکمیل

شب کو احساس کا مہتاب جَلا
آرزوؤں کے چراغوں سے ہوا دل روشن
رنگ اور نور سے لمحات سجے
صبح کو شان سے ارمانوں کا سورج نِکلا
جستجو پا کے رہی اپنا صِلہ

ترسیل کا المیہ

جب وہ بات کوئی کرتا ہے
بات ادھوری ہی کرتا ہے
خط بھی ادھورا ہی لکھتا ہے
جب بھی پوچھو
ان باتوں کا مطلب کیا ہے
یوں کہتا ہے
تم ہی سوچو تم ہی سمجھو
بات ادھوری ہی رہتی ہے
لیکن جب میں جھنجھلاتا ہوں
ہنس دیتا ہے
جیسے اس کی بات مکمل ہو جاتی ہے

تجزیہ

یہ صورت بھی
جس کا گورا رنگ ہے جیسے
یہ نقشہ بھی
اک میدانِ جنگ ہے جیسے
شعر ہے لیکن
قافیہ جس کا تنگ ہے جیسے

ہونٹ رسیلے۔ کتنی لِپ اسٹِک جانے اُن پر خرچ ہوئی ہے
کمر —— وہ نازک شاخ جو اکثر لچک گئی ہے۔
باہیں —— وہ حلقہ ہے جس میں جان پھنسی ہے
بدن جو اونچی نیچی اُفتادہ کھیتی ہے

اس دھرتی میں جو بھی اب تک فصل اُگی ہے
اس کے ساتھ ہی جانے کتنی بھوک بڑھی ہے

احساس کی قید

مِری زندگانی کے آزاد لمحو
کہاں ہو
ذرا مجھ کو آواز دو
میں تمہیں کب سے اس شہر میں
ڈھونڈتا پھر رہا ہوں

مِری زندگی آج دُنیا کی محفل میں
اک ایسے ہی میہمان کی طرح ہے
جو سب کے لئے اجنبی ہے
مَیں تنہا ہوں
اور اب مجھے تم پُکارو
مَیں احساس کے ہوں سلاسل میں
جکڑا ہوا ایک قیدی
جِسے روز و شب نے
غموں کے خرابے میں
محصور رکھا ہے

آمد و شد

یہ نشاں
راستوں کے
چمن زار
ویراں کھنڈر
میکدے
معبدوں کے کلس
یہ زمیں آسماں
پیار کا نفرتوں کا جہاں
عرصۂ زندگی کی حسیں داستاں
یہ مسرّت یہ غم اور یہ محرومیاں
کیا مرے بعد بھی یوں ہی چلتا رہے گا
یہ چلتا ہوا کارواں
کیا اسی طرح قائم رہے گا جہاں

جانے والا کہے گا "نہیں"
آنے والا کہے گا کہ "ہاں"

کہی اَن کہی

اَن کہی اَن سُنی
بات میری محبّت کی تھی
لیکن اِس بات کو جب زباں مِل گئی
جب مِرے لب ہِلے
کتنا چرچا ہوا
بات اتنی بڑھی
انجمن انجمن
میرے حالات سب آئینہ بن گئے
بات بڑھتی گئی
میرے جذبات بھی
اِک گلہ بن گئے
اور پھر آخرش
میری ہر اک صدا
رہ گئی بن کے چیخ

اور تیری طرف
ضبط ہی ضبط ہے
سوچتا ہوں
کہ یہ خامشی بھی تری
ایک آواز ہے
ایک گمبھیر آواز ہے
جس سے آواز میری
مِری چیخ بھی دب گئی

ہمزاد

جدھر جاتا ہوں مَیں
کوئی تعاقب میرا کرتا ہے
بس اِک احساس ہے جس کا
نہ جس کا جسم ہے کوئی
نہ جس کا روپ ہے کوئی
بس اک آواز ہے
میں بھی ازل سے جس سے واقف ہوں
مرا امن و سکوں
جس کے خیال و خواب میں گم ہے
کبھی نزدیک سے
اور پھر کبھی تو دور سے آتی ہے یہ آواز
کوئی بھی کام مَیں اس سے چھپا کر کر نہیں سکتا
بڑی گمبھیر ہے آواز یہ
میری مخالف بھی ہے اور میری موافق بھی
نہ جانے اس قدر کیوں اس سے ڈرتا ہوں
بس اک آواز
جس کا جسم ہے کوئی
نہ جس کا روپ ہے کوئی

ہچکیوں کا فشارِ پیہم

تمہاری یادوں کا قافلہ جب بھی دل سے گزرا
خیال و فکر و نظر کے خیمے اکھڑ گئے ذہنِ بدگماں سے
حجابِ حاجز کے (نرم پردے) سے ہچکیوں کا فشار پیہم
رواں دواں تھا
شکم کے جوفِ شریر سے ہو کے جوفِ سینہ
غبار پیہم
کہ جیسے آنے لگی تھیں سانسیں اُدھار پیہم
قدم قدم پر اک امتحاں تھا
مسافرانِ شبِ گزشتہ (یہ میرے لمحے)
سحر سے پہلے گجر جو اپنا بجا چکے تھے
جو اپنی منزل کی سمت پہلے ہی جا چکے تھے
وہ زندگی کے طویل صحرا میں گم ہیں کب سے

تمہاری یادوں کا قافلہ
پھر سے آکے ٹھہرا ہے دِلستاں میں
خیال و فکر و نظر کے خیمے اکھڑ گئے ہیں
اُتر رہا ہے حجابِ حاجز سے
ہچکیوں کا فشارِ پیہم
شکم کے جوفِ شریر سے ہو کے جوفِ سینہ
رواں دواں ہے غبارِ پیہم
بدن میں ہے انتشارِ پیہم

فلسفی

(نثری نظم)

حقیقت کیا ہے
کوئی نہیں جانتا
اور جو جانتا ہے وہ فلسفی کہلاتا ہے
اور فلسفی (بعض کے نزدیک) خطرناک پاگل ہوتا ہے
اور فلسفی کو ہر بات ثابت کرنی پڑتی ہے
لیکن پاگل کو کوئی بات ثابت نہیں کرنی پڑتی

پتھّروں کے درمیاںؐ

نگاہ و دل بھی ہے پتھر
کہ اس زمانے کی
ہر ایک چیز ہے پتھر
کہ جیسے بات تری
برستی رہتی ہے پتھر کی طرح
دل پہ مرے
مگر یہ دل مِرا
جس کا کوئی جواب نہیں
جو آج تک بھی ہے مخلص
جو آج تک بھی ہے
سود و زیاں سے بے پروا
کہ آج تک بھی
اِنہی پتھروں میں زندہ ہے

موم اور پتھر

سُلگتے ہوئے موم کی طرح
روتے ہوئے دل کی قیمت بہت ہے
یہی نرم دل گرم ہوتا ہے جب بھی
تو بنتا ہے یہ زندگی کی علامت پگھل کر

مگر اس کے برعکس
تم "پتھروں" سے جو ٹکراؤ تو
ان میں حرکت نہ ہوگی
نہ ہلچل مچے گی
نہ اپنی جگہ سے یہ پتھر ہلیں گے
کہ بے جان ہیں یہ
سُلگتے ہوئے موم کی طرح روتے ہوئے
دل کی قیمت بہت ہے
کہ اس میں کم از کم
پگھلنے کا گُن ہے

تگ و دَو

مُڑک کے فٹ پاتھ پر
دیر تک میں یہی غور کرتا رہا
یہ سڑک کتنی مصروف ہے
ہر کوئی اپنی فطرت سے مجبور ہے
حُسن مغرور ہے
عشق منصور ہے

اور پھر یہ ہوا
میں نے دیکھا
سڑک کے کنارے پہ رکشا رُکا
رکشا والے کا تھا سانس پھولا ہوا

(بقیہ دوسرے صفحہ پر)

اور پھر یوں ہوا
اس کے نزدیک ہی ایک موٹر رُکا
اس سے جو شخص باہر برآمد ہوا
وہ بھی مجھ کو لگا ہانپتا کانپتا

مَیں کھڑا دیر تک غور کرتا رہا
زندگی خود بھی ہے ہانپتی کانپتی
اور پھر یوں ہوا
مُجھ کو ایسا لگا
اَب تو میرا بھی ہے سانس پھُولا ہوا

تہی دامن

غموں کو ٹھکرا کے جینے والے
کہاں ہیں ڈھونڈو
کہ میں نے مدّت سے
اُن کو دیکھا نہیں ہے لوگو
خوشی کو اپنا کے جینے والوں نے
آ کے مجھ سے کہا تھا
جیسے بھی جس طرح بھی ہو
اپنا دامن خوشی سے بھر لو

میں اپنے دامن میں
یوں ہی خوشیوں کا بوجھ اُٹھائے ہوئے
زمانے سے پھر رہا ہوں
خوشی کو اپنا کے جینے والے کہاں ہیں ڈھونڈو
کہ میں زمانے سے غم زدہ ہوں

اور اب میں دامن میں بھر کے خوشیاں
یہ سوچتا ہوں
کہ میں ہوں تنہا
یہ ساری خوشیاں
کِسے کِسے بانٹتا پھروں میں
کہ ہر کوئی چاہتا یہی ہے
کہ ساری خوشیاں وہی سمیٹے
مگر مجھے بھی یہی ہے خدشہ
کہ میرا دامن بھی ہو نہ خالی

میں اپنے پیروں پہ کھڑا تھا
میرے پیروں کے نیچے جو دھرتی تھی وہ
ساری میرے بھائی کی تھی
اور میں جس چھت کے نیچے تھا
وہ بھی میرے بھائی کی تھی
ویسے تو میں اپنے ہی پیروں پہ کھڑا تھا
جو بھی کماتا
لاکر اپنے بھائی کو ہی دے دیتا تھا
بے فکری سے دن کٹتے تھے
کوئی نہیں تھی ذمہ داری
دن کو بھائی کے بچوں میں دل لگتا تھا
رات تو لمبی تان کے سونے میں کٹتی تھی
سپنے کیا کیا راتوں میں دیکھا کرتا تھا
میری بھابی (جو اب میری ماں کی جگہ ہے)
صبح سویرے مجھ کو جگاتی
بچوں میں اک میں بھی بچہ بن جاتا تھا

جب مجھ سے کچھ ننھی سی فرمائش کرتے
پوری کر کے ہر فرمائش میں خوش ہوتا تھا

اک دن میری بیوی نے
اک بات مِرے کانوں میں کہہ دی
"اپنے سبب یہ گھر اب چھوٹا پڑنے لگا ہے
بھائی کے بچوں کی عمریں بڑھنے لگی ہیں
اچھا ہے اب کوئی کرایہ کا گھر ڈھونڈو"
میں اس کی یہ باتیں سُن کر چکرایا تھا
لیکن اس کا کہنا سچ تھا
صبح سویرے آنکھ کھلی تو مَیں نے دیکھا
ننھے مُنّے پیارے پیارے
سارے بچے
راتوں رات بڑے ہو کر یہ
گویا مجھ سے پوچھ رہے ہیں
"گھر کیوں چھوٹا پڑنے لگا ہے
چاچا چاچا ہم کو بھی اک گھر بنوا دو"
میرا سپنا ٹوٹ گیا ہے

نام کا فتنہ

تمہاری محبت کا فتنہ
(اسے رہنماؤں نے فتنہ کہا تھا)
اُٹھا تو
قیامت کا اک سامنا تھا
بہر سمت
تہذیب و اخلاق کا واسطہ دینے والوں میں
ہلچل مچی تھی
بالآخر ـــــ تمہاری ہماری محبت کا فتنہ
فقط نام کے فرق سے دب گیا تھا
مَیں اب تک یہی سوچتا ہوں
اگر ہم پُرانے ہی ناموں سے ملتے
تو کیا فرق پڑتا
مگر ان میں صدیوں کا اک فاصلہ تھا
زمانے کو ہم سے برابر گِلہ تھا
اگرچہ بہم آج تک بھی وہی ہیں
وہی جسم ہیں اور وہی جذبۂ جاں سپاسی
نہ تم میں کوئی فرق آیا نہ مجھ میں
فقط نام بدلے ہوئے ہیں ہمارے
کہ تم "شیل" سے ہو گئی ہو "فلورا"
کہ "داؤد" سے ہو گیا ہوں میں "ڈیوڈ"

اَن کہی

ہر سہیلی سے
ہمیشہ
موسموں کی بات کرتے کرتے
تم خاموش ہو جاتی ہو
کھو جاتی ہو خود میں

یہ تمہاری خامشی سب کہہ رہی ہے
اَن کہی باتیں
جنہیں تم بھول جانا چاہتی ہو
اور یہی باتیں
تمہاری اک متاعِ زندگی ہیں
اب جنہیں تم ہر گھڑی ہر لمحہ
سینے سے لگائے پھر رہی ہو
اک امانت کو چھپائے پھر رہی ہو

زنانہ کالج کی سڑک

کتنی پُر رونق و پُرکار ہے یہ راہِ طلب
یہ سڑک کتنی حسیں کتنی جواں لگتی ہے
مہ جبینوں کے حسیں قافلے
دھیرے دھیرے
جب گزرتے ہیں صبا کی صورت
کتنے گلزار مہک جاتے ہیں

کتنا پُرکار ہے دوری کا فریب
اجنبیت بھی ہے کتنی دلکش
لیکن افسوس یہ ہے
روپ بہروپ سے مَیں واقف ہوں
دیکھتا ہوں جو پسِ منظر کو
خار آنکھوں میں کھٹک جاتے ہیں
دھوپ چھاؤں کا تماشہ ہے عجب
وقت سے پہلے یہاں غنچے چٹک جاتے ہیں

پہچان

مجھ کو یہ تسلیم مَیں تو ہوں بُرا
اَے مری سچائی
میرے آگے آکر تو نہ میرا مُنہ چڑا
میرے پیچھے
لوگ مجھ کو جو بھی کہتے ہیں
اُنہیں کہنے بھی دے
تو کبھی اس پر نہ جا
کیا غلط ہے کیا بجا ہے ماجرا

اے مری سچائی
تجھ کو ہے مگر میرا پتہ
میں فرشتہ تو نہیں
اِنسان ہوں
اپنی ہی پہچان ہوں

دِکھاوا

حُسن کو جب سے
نمائش کا سلیقہ آ گیا ہے
جسم کا ہر عضو جیسے بولتا ہے
جسم کتنا خوشنما ہے
تنگ دامانی شعارِ دلربا ہے

روح کے اندر اگر جھانکو
تو دِل کا سب تقدس چھن گیا ہے
جسم اک پھوڑے کی صورت سڑ رہا ہے
ذہن آوارہ ہے
دل بے آسرا ہے

سایہ

ایک سایہ
در و دیوار سے
ٹکراتا ہُوا پھرتا ہے
ایک انجان مسافر ہے
کہ ملتی نہیں منزل جس کو
صبح سے شام ہوئی
رات ہوئی
مجھ سے سایہ بھی مرا چھوٹ گیا
رات آئی ہے تو پھر تنہا ہوں

دلِ لخت لخت

دل کی بات نہ پوچھو مجھ سے
سُن نہ سکو گی
سُن بھی سکو تو سُن کر اس کو سہہ نہ سکو گی

میرا دل ایسا گھایل ہے
جس میں اک دنیا کا غم ہے
اس دل میں جو زخم پڑے ہیں
سب گہرے ہیں
ان میں تمہارا گھاؤ ہے تازہ
ان میں تمہارا ہی غم ہے جو سب سے ادھورا
سب سے کم ہے

دل کی بات نہ پوچھو مجھ سے
سُن نہ سکو گی سہہ نہ سکو گی

ایک خواب

رات کو میں نے خواب میں دیکھا
میرے سر پر بال نہیں ہیں
میں گنجا ہوں

اور پھر میں نے یہ بھی سوچا
تم کو اگر معلوم ہوا یہ
تم شاید مجھ سے نہ ملوگی

جس دم آنکھ کھُلی گھبرا کر
سر پر بال ٹٹولے میں نے
سر پر تھے سب بال سلامت

خوش ہو کر میں سوچ رہا ہوں
خواب کہاں سچّے ہوتے ہیں

اشتراک

مرے ہاتھوں میں وہ قوت بھری ہے
کہ جس سے زندگی اوروں کو ملتی ہے
مرے ہاتھوں میں وہ محنت بھری ہے
کہ جس سے سرخوشی اَوروں کو ملتی ہے
مَیں خدمت دوسروں کی کر کے خوش ہوں
یہی ہے راز میری خوش مزاجی کا
مری قوت فقط اپنی نہیں ہے
مری محنت مری طاقت میں
اَوروں کا بھی حصّہ ہے
میں اُن لوگوں کی طاقت ہوں
جو ہیں کمزور اور مُفلس
مَیں اُن لوگوں کی دولت ہوں
جو ہیں لاچار بستی میں
مَیں اپنی ہی نہیں اَوروں کی بھی حرمت ہوں
عزّت ہوں
بہت سے گن ہیں میری اپنی ہستی میں

کار زار

جہادِ زندگی مشکل بہت تھا
مگر تیری محبّت نے اُسے
آسان اتنا کر دیا
لڑتے ہوئے
دار و رسن کی آزمائش سے بھی ہم گزرے
اور اس کے بعد
جب میدان خالی ہو چکا
تیری جگہ تیری طرح کا ایک پتھر تھا
جو یکسر بے وفا تھا

معمول

صبح ہوئی وہ سورج نکلا
سامنے گھر والی نے اپنے گھر والے سے کیا ہے جھگڑا
پاس پڑوس کے لوگ اکٹھے ہو کر باتیں کرنے لگے ہیں
غلّے کی دوکان پہ لمبی لائن لگی ہے

نو بجتے ہی مَیں بھی گھر سے نکل پڑا ہوں
گھر سے دفتر سات میل کا لمبا رستہ طے کرنا ہے
سائیکل کے اگلے پہیئے میں ابھی ہوا بھی بھروانی ہے

اس نکڑ پر کتنے کتے
اک نازک کتیا کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں
کھلا ہوا ہے کونے کے گھر کا دروازہ
یہ لڑکی ٹیوشن پڑھتی ہے
ٹیوٹر اس کی آنکھوں میں کتنی چاہت سے جھانک رہا ہے
چوراہے پر اندھا بوڑھا ہاتھ اپنا پھیلائے کھڑا ہے
بہو نے شاید آج بھی اس کو دھتکارا ہے
بس اسٹاپ پہ وہ دبلا سا کالا لڑکا
اس گوری سی چست لباس میں
بل کھاتی جاتی لڑکی کو چھیڑ رہا ہے
آنے والی بس سے میری
سائکل اک دم ٹکراتے ٹکراتے بچی ہے

مُعرّا نظم

ذہن ویران خیال آوارہ!
بڑھ رہے ہیں گماں کے سائے
زندگی نقشِ نیم کش کی طرح
آج تک بھی ہے بے پڑھی تحریر
خواب ہی خواب ہے جہانِ بسیط
جس کی کوئی نہیں ابھی تعبیر
راستے موڑ اور سنگِ میل
اک سفر ہے مسلسل اور طویل

مآلِ صبح

(چند جذباتی لمحوں کا تاثر)

رات بھر شمعِ وفا میں نے جلائے رکھی
رات بھر روشنی ہوتی رہی اُمیدوں کی
ہر نفس شعلہ بجاں جلتا رہا دل کے قریں
ہر خیال ایک دھڑکتے ہوے دل کی مانند
کتنا بے چین رہا کتنا طلب گار رہا

اور جب صبح ہوئی شمع بھی بے نور ہوئی
روشنی کھو گئی سب رات کی اُمیدوں کی
ہر نفس شعلہ بجاں تھا جو کبھی سرد ہوا
ہر خیال آپ ہی خود پیکر بے حال بنا
اب مِرا دل کسی خواہش کا طلب گار نہیں
صبح ہونے نہیں پائی تھی کہ رات آئی ہے

آگہی

گوشت کا ایک لوتھڑا ہے بدن
وہاں گورا ہے اور یہاں کالا
عشق کی آگہی نہ ہو تو پھر
حُسن آخر کِسے کہا جائے
حُسن کا آج تک نہیں معیار

گوشت کا ایک لُوتھڑا ہے بدن
ایک ڈھانچہ ہے ہڈیوں کا فقط
جِسم تو اک حقیر پنجرہ ہے
جس کی یوں بھی نہیں۔ کوئی قیمت

ہاں مگر قیمتی ہے اس کا دماغ
ہاں مگر قیمتی ہے اس کا دل
روح جن کے ملاپ کا حاصل

رنگ اور نسل کی حقیقت کیا
گوشت کے لوتھڑے کی قیمت کیا

رَنگ و نُوُر

تیری نگری رنگ و نُور کی اک نگری ہے
اِس نگری میں تجھ سے ملنے مَیں آیا ہوں
لیکن اب تک آوارہ ہوں اِس نگری میں

کوئی راہ نہیں ہے رنگ و نور سے خالی
اس نگری کے لوگ مجھے سب یوں لگتے ہیں
جیسے چلتے پھرتے خوابوں کے پیکر ہیں!
ان چہروں میں کب سے تجھ کو ڈھونڈ رہا ہوں
حُسن و ادا کے یہ سب پیکر بیگانے ہیں

رنگ کا کیا ہے دھوپ سے پھیکا پڑ جاتا ہے
نور کا کیا ہے جس کا دیپ ہے وہ اُس کا ہے
سوچ رہا ہوں تو بھی اگر مل جائے مجھ کو
دیکھ کے بھی انجان گزر جائے تو کیا ہو

بولنا پڑا

سچ بات کہہ کے سوچتا ہوں سچ فضول ہے
سچائی یہ ہے سچ پہ یقیں کس کو ہے بھلا
سچ بات کر کے مَیں ہُوا شرمندہ بارہا
ہر مسخرے کی بات حقیقت بنی رہی
سنجیدگی خود اپنے لئے طنز بن گئی
سچائی اپنے کام تو کچھ بھی نہ آسکی
سچائی یہ ہے جھوٹ پہ سب کو یقین ہے
نیچے ہے آسمان تو اوپر زمین ہے
اس مرحلے پہ بُت کو خُدا بولنا پڑا
ہر سچ کے ساتھ جھُوٹ سدا بولنا پڑا

گرد

گرد ہی گرد اپنی آنکھوں میں
گرد ہی گرد اپنے کانوں میں
گرد ہی گرد بھر گئی مُنہ میں

گرد میں کیا دکھائی دیتا ہے
گرد میں کیا سُنائی دیتا ہے
گرد ہے مُنہ میں کیا زباں سے کہیں

گرد آلود سارا منظر ہے
گرد ہی گرد میں ہیں لپٹے ہوئے
خاص اور عام کی ہے کیا پہچان
گرد ہی گرد آج کا اِنسان

پابند نظم

مرحبا مرحبا مرحبا اے حسیں

(حُسنِ کشمیر کے نام)

حُسن ہی حسن ہو حُسنِ کشمیر ہو
گویا فطرت کی خاموش تقریر ہو
ایک تخریب ہو ایک تعمیر ہو
الغرض میرے خوابوں کی تعبیر ہو

اب ہو ہر بزم میں تم مری ہم نشیں
مرحبا مرحبا مرحبا اے حسیں

باغِ جاناں میں گلہائے نسرین ہو
شاعری پر مری داد و تحسین ہو
سادگی میں بھی اِک حُسنِ تزئین ہو
خود ہی زر خود ہی گُل خود ہی گلچین ہو

تم میں جو بات ہے وہ کسی میں نہیں
مرحبا مرحبا مرحبا اے حسیں

تم مرے حق میں اُلفت بھرا جام ہو
رونقِ صبح ہو زینتِ شام ہو
تم سراسر محبّت کا پیغام ہو
تم ہی آغاز ہو تم ہی انجام ہو

میری جانب سے تم کو بھی ہے آفریں
مرحبا مرحبا مرحبا اے حسیں

حُسنِ فطرت کی مورت کی نقّاش ہو
تم زمیں ہو کے بھی جیسے آکاش ہو
تم سے دُنیا کو پھر کیوں نہ پرخاش ہو
شعر کہنے پہ تم کو بھی شاباش ہو

کام وہ کر دکھایا جو بس کا نہیں
مرحبا مرحبا مرحبا اے حسیں

مَیں مُسلمان ہُوں

اِس قدر زِندگی میں فراواں ہوں
لُٹ کے بھی آپ اپنے پہ احساں ہوں
ہر گھڑی زندگانی کا ارماں ہوں
سچ تو یہ ہے کہ مظلوم انساں ہوں
مُلک و مِلّت پہ ہر وقت قرباں ہوں
مَیں مسلماں ہوں مَیں مسلماں ہوں

ہر کسی کو مرے نام سے بیر ہے
شر مخالف کا حق میں مرے خیر ہے
ساری دنیا مرے واسطے غیر ہے
اِک طرف ہے حرم اِک طرف دیر ہے
رہنماؤں کے کرتب پہ حیراں ہوں
مَیں مسلماں ہوں مَیں مسلماں ہوں

ہوں مکمل محبّت کے آداب میں
عِشق ہی عِشق ہوں عِشق کے باب میں
پھر بھی رُسوا ہوں مغرب کے ارباب میں
پھنس گیا ہوں فسادوں کے گِرداب میں
پیار کرتا ہوں انساں سے ناداں ہوں
مَیں مسلماں ہوں مَیں مسلماں ہوں

فخرِ انساں ہوں مَیں آدمیت ہوں مَیں
کوئی مانے نہ مانے حقیقت ہوں مَیں
مُلک کی قوم کی آج عزّت ہوں مَیں
اپنے ایمان و ایقاں کی طاقت ہوں مَیں

پاسبانِ وطن ہوں نگہبان ہوں
مَیں مسلمان ہوں مَیں مسلمان ہوں

ہے تقاضہ سمجھنے کی کوشش کرو!
تم ذرا سا سمجھنے کی کوشش کرو!
اَب خُدارا سمجھنے کی کوشش کرو!
مجھ کو اپنا سمجھنے کی کوشش کرو!

اِتنا مشکل نہیں ہوں مَیں آسان ہوں
مَیں مسلمان ہوں مَیں مسلمان ہوں

رِشتے ناتوں کو محسوس کرتا ہوں مَیں
گرم ہاتھوں کو محسوس کرتا ہوں مَیں
سرد راتوں کو محسوس کرتا ہوں مَیں
ساری باتوں کو محسوس کرتا ہوں مَیں

ایک شاعر ہوں احساس کی جان ہوں
مَیں مسلمان ہوں مَیں مسلمان ہوں

مجھ کو بھارت میں جینا ہے ہر حال میں
خون اپنا ہی پینا ہے ہر حال میں
زخم اپنا ہی سینا ہے ہر حال میں
اب یہی اِک قرینہ ہے ہر حال میں

اِک صداقت ہوں اللہ کی شان ہوں
مَیں مسلمان ہوں مَیں مسلمان ہوں

اَے خُدا تجھ کو واحد جو کہتا ہوں میں
اِن بُتوں میں پریشان رہتا ہوں مَیں
ظلم اغیار کے سارے سہتا ہوں مَیں
جذبۂ دِل کے دھارے میں بہتا ہوں مَیں

آپ اَپنے عقیدے کی پہچان ہوں
مَیں مسلمان ہوں مَیں مسلمان ہوں

داستانِ وفا ہے مِری مختصر
گھر سے باہر تو ہوں ہر جگہ معتبر
گھر کی حالت مِری ہو گئی دربدر
اَب تو بے حد پریشان ہے چارہ گر

اَپنے ہی گھر میں جینے کا ارمان ہوں
مَیں مسلمان ہوں مَیں مسلمان ہوں

میرے ہونے سے راحت ہے آرام ہے
مجھ سے اس دیس کا چار سو نام ہے
میرا دشمن بھی نفرت میں ناکام ہے
اس کی کوشش کا بے فیض انجام ہے
دیس کا عہد ملت کا پیمان ہوں
میں مسلمان ہوں میں مسلمان ہوں

میرے چاروں طرف ہے اندھیرا یہاں
کون سمجھے گا دکھ درد میرا یہاں
کب سے ڈالے ہوئے ہوں میں ڈیرا یہاں
شام میری یہاں ہے سویرا یہاں
میں رخِ ہند پر پھر بھی مسکان ہوں
میں مسلمان ہوں میں مسلمان ہوں

دھیمی دھیمی سی خوشبو ہے میری زباں
شاعری میں تو جادو ہے میری زباں
اب تو دنیا میں ہر سو ہے میری زباں
یعنی اردو ہے اردو ہے میری زباں
غالب و میر و مومن کا دیوان ہوں
میں مسلمان ہوں میں مسلمان ہوں

آج بھی جاں سے پیارے تمہی ہو

مرے آسماں کے ستارے تمہی ہو
مری سرزمیں کے نظارے تمہی ہو
تمہی سے محبّت کا ہے سوز دل میں
مرے دل میں غم کے شرارے تمہی ہو
سنو آج بھی جاں سے پیارے تمہی ہو

تمہاری محبّت نے یہ دن دکھائے
جو اپنے کبھی تھے وہ اب ہیں پرائے
کبھی پیار بن کر تھے دِل میں سمائے
مگر آج دشمن ہمارے تمہی ہو
سنو آج بھی جاں سے پیارے تمہی ہو

کبھی تم سے عرضِ تمنّا نہ کرتے
محبّت کا تم سے تقاضہ نہ کرتے
کبھی تم کو اپنا سہارا نہ کرتے
مگر اب تو دل کے سہارے تمہی ہو
سنو آج بھی جاں سے پیارے تمہی ہو

یہ مانا محبّت کا مارا ابھی دل ہے
بھرے شہر میں بے سہارا ابھی دل ہے
ہے بیمار دل اور بچارا ابھی دل ہے
سنو دل یہ جس کو پکارے تمہی ہو
سنو آج بھی جاں سے پیارے تمہی ہو

"آئی لو یو"

مَیں تجھ سے محبّت کرتا ہوں ؛ رہ رہ کر آہیں بھرتا ہوں
ہر آن تجھی پر مرتا ہوں ؛ آئی لو یو کہتے ڈرتا ہوں
مَیں تجھ سے محبّت کرتا ہوں
آئی لو یو کہتے ڈرتا ہوں
اَب صبر نہیں ہوتا دِل کو ؛ کِس طرح اِسے مَیں سمجھاؤں
ہر لمحہ مچلتا رہتا ہے ؛ اَب کیونکر اِس کو بہلاؤں
دن رات محبّت کے نغمے ؛ مَیں تیری جدائی میں گاؤں
کبتک مَیں دلاسا دوں دِل کو ؛ کبتک مَیں اِسے رہ دِکھلاؤں
دیدار کو تیری اے ظالم ؛ مَیں تیری گلی سے گزرتا ہوں
مَیں تجھ سے محبّت کرتا ہوں
آئی لو یو کہتے ڈرتا ہوں

راتوں میں نیند نہیں آتی ؛ ہر رات قیامت ڈھاتی ہے
ہر وقت تری ہی باتیں ہیں ؛ ہر یاد تری تڑپاتی ہے
ہر بزم میں تنہا ہوتا ہوں ؛ تنہائی مجھے راس آتی ہے
اَب مجھ کو سارے حسینوں میں ؛ اِک صورت تیری بھاتی ہے
سَب دَر ہیں شہر کے وَا مجھ پر ؛ بَس تیرے ہی دَر پہ ٹھہرتا ہوں

مَیں تجھ سے محبت کرتا ہوں
آئی لَو یُو کہتے ڈرتا ہوں

پھر میری وفا کے بدلے میں ؛ پھر تیرا سِتم بڑھ جاتا ہے
پھر باہم شکوے ہوتے ہیں ؛ پھر پیار بہم بڑھ جاتا ہے
ہوتی ہے توجہ پھر تیری ؛ کم ہو کر غم بڑھ جاتا ہے
پھر سانسیں رُکتی جاتی ہیں ؛ رہ رہ کر دم بڑھ جاتا ہے
اَب ایسے عالم میں بھی مَیں ؛ پھر تیرا دم کیوں بھرتا ہوں

مَیں تجھ سے محبت کرتا ہوں
آئی لَو یُو کہتے ڈرتا ہوں

ایک ہپی جوڑے کو دیکھ کر

خود ساختہ دُکھوں سے پریشان و مضطرب
چہروں پہ آگہی کی بناوٹ لئے ہوئے
ذہن و دِل و نگاہ کا مرگھٹ لئے ہوئے
آوارہ زندگی سے ہراسان و مضطرب

خوش آمدید

(نئے گھر کی طرف سے دلہن کا خیر مقدم)

تمہارا خاموش اِک ارادہ!
تمہاری سوچوں کا استفادہ
کبھی ہوں کم اور کبھی زیادہ
تمہاری منزل تمہارا جادہ

تمہارے ہونٹوں کا ایک نغمہ
تمہاری نیندوں کا شوخ سپنا
تمہارا اپنا تمہارا اپنا
تمہاری جنّت تمہاری دُنیا

تمہارا احساس معتبر ہوں
تمہاری خوشیوں کا اک نگر ہوں
تمہارا گھر ہوں تمہارا گھر ہوں
تمہاری آمد کا منتظر ہوں

حاصلِ گمرہی

کوئی رہرو مری خاطر نہ رُکا
اجنبی راہ میں مَیں تنہا تھا
حوصلہ میرا مگر کم نہ ہوا
میں اکیلا ہی بہرحال چلا

ہے متاعِ دل و جاں ساتھ مرے
عزم ہے میرا جواں ساتھ مرے
میری منزل ہے نہاں ساتھ مرے
قافلہ اب ہے رواں ساتھ مرے
مجھ سے واقف ہوئی ہر راہ گزار
آج ہے ایک جہاں ساتھ مرے

مُسلم ہیں ہم وطن سے ہمیں بھی بہت ہے پیار

مُسلم ہیں سِکھ ہیں اور ہیں عیسائی بے قرار
اِنسانیت کی راہ پہ چلتے ہیں بار بار
رہتے ہیں ظلم سہہ کے بھی ہر دم وفا شِعار
ہم دیس کا غرور ہیں ہم دیس کا وقار
ہندوستان کا عشق ہیں بھارت کا اعتبار
مُسلم ہیں ہم، وطن سے ہمیں بھی بہت ہے پیار

ہم اقلیت ہیں ہم کو بھی اُلفت وطن سے ہے
ہم اقلیت ہیں ہم کو بھی نسبت وطن سے ہے
ہم اقلیت ہیں ہم کو بھی چاہت وطن سے ہے
ہم اقلیت ہیں ہم کو بھی رغبت وطن سے ہے
ہم کو بھی تو ہمارے وطن پر ہے افتخار
مسلم ہیں ہم، وطن سے ہمیں بھی بہت ہے پیار

کرنا ہے روز تلخ حقیقت کا سامنا
کرنا ہے ہم کو ہر گھڑی نفرت کا سامنا
کرنا ہے زندگی کی صعوبت کا سامنا
کرنا ہے ہم کو جھوٹ کی طاقت کا سامنا
کچھ بھی ہو ہم نہ مانیں گے اس زندگی سے ہار
مسلم ہیں ہم، وطن سے ہمیں بھی بہت ہے پیار

ہم اقلیت ہیں اپنے میں اک انقلاب ہیں
ہر امتحانِ زیست میں ہم کامیاب ہیں
اِنصاف کی ترازو ہیں خود احتساب ہیں
ہم ہر سوالِ نَو کا مکمل جواب ہیں
اب اپنے آپ پر تو ہمیں بھی ہے اعتبار
مسلم ہیں ہم، وطن سے ہمیں بھی بہت ہے پیار

نفرت کے بیج جانتے ہیں کس نے بوئے ہیں
جب آ پڑی وطن پہ تو سب مل کے روئے ہیں
چین اور سکون بدلے میں بھارت کا کھوئے ہیں
بہتر ہے اب جگائیں انھیں وہ جو سوئے ہیں
ورنہ کسی کا وقت نہیں کرنا انتظار
مسلم ہیں ہم، وطن سے ہمیں بھی بہت ہے پیار

اس زندگی میں پیار سے نفرت مٹائیں گے
ہاں اپنے اختیار سے نفرت مٹائیں گے
تدبیر خوشگوار سے نفرت مٹائیں گے
کچھ بھی ہو قلبِ یار سے نفرت مٹائیں گے
مانا کہ ہم ہمیشہ سے نفرت کا ہیں شکار
مسلم ہیں ہم، وطن سے ہمیں بھی بہت ہے پیار

اے ملک و قوم تم کو کبھی یاد بھی ہیں ہم
فخرِ وطن بھی لائقِ بیداد بھی ہیں ہم
کر کے وفائیں حاملِ فریاد بھی ہیں ہم
قدوائی[1] ہم ہیں اجمل[2] و آزاد[3] بھی ہیں ہم
ذاکر[4] کی طرح ہم تو وفا کی نوید ہیں
قربانی کی مثال میں عبدالحمید[5] ہیں

ہم اقلیت ہیں ہند میں حامی ہیں باکمال
پھر سے چلائیں دیس کو امن و اماں کی چال
ہر حملہ سے بچائیں گے ہم دیس کی ہیں ڈھال
اب اپنا ہے عروج تو دشمن کا ہے زوال
ہے سامنے ہمارے بلندی کی رہ گزار
مسلم ہیں ہم وطن سے ہمیں بھی بہت ہے پیار

۱؎ رفیع احمد قدوائی ۲؎ حکیم اجمل خاں ۳؎ مولانا ابوالکلام آزاد ۴؎ ڈاکٹر ذاکر حسین
۵؎ حولدار عبدالحمید پرم ویر چکر ایوارڈ یافتہ

اکمل حیدر آبادی کے نام

ہر ایک شخص کو آئینہ تم نے دِکھلایا
پھر اس کے بعد ہی ہر شخص خاص کہلایا
زمیں سے لے کے فلک تک جو کوئی امکاں تھا
تمہارے کھیل کا بے شک وہ سارا میداں تھا
جو تم نے پیار کے دروازے کھول رکھے تھے
مخالفت کے بھی سامان مول رکھے تھے
کمی نہیں تھی یہاں تم سے جلنے والوں کی!
تمہارے آگے فقط ہاتھ ملنے والوں کی

مگر جو تم نے کہا اس کو کر کے دِکھلایا
عدو کو اپنی صداقت پہ مر کے دِکھلایا

تمہارے دم سے محبّت کی نبض بیکل تھی
تمہارے دم سے زمانے میں ایک ہلچل تھی
جو تم نہیں ہو تو احساسِ زندگی کم ہے
جو تم نہیں ہو تو بزمِ طرب میں ماتم ہے

———

ہمیشہ سُنائی دوں

میری یہ آرزو ہے ہمیشہ سُنائی دوں
آوازوں کے ہجوم میں تنہا سُنائی دوں

سنّاٹا بولنے لگے میرے وجود سے
بن کر میں تیرے پیار کا نغمہ سُنائی دوں

جامی بُروں کے درمیاں مانا گھرا ہوں میں
لوگوں میں چاہتا ہوں کہ اچھا سُنائی دوں

جب جب بھی گفتگو مرے بارے میں ہو کہیں
دُنیائے رنگ و بُو میں الگ سا سُنائی دوں

ہر ایک اہلِ دل مرے نغمات گنگنا لے
میں زندگی کی بَن کے تمنّا سُنائی دوں

پیغام میرا امن و محبّت ہے اس لئے
یہ چاہتا ہوں میں سرِ دنیا سُنائی دوں

آنکھوں کی بات چیت میں اتنا ضرور ہو
وہ دیکھتا رہے اُسے کہتا سُنائی دوں

دھماکے

(ہندو پاک کے حالیہ نیوکلیر دھماکوں کے پس منظر میں)

غریب مُلک ہیں دونوں بھی ہندو پاک میاں
بِٹھانی کس پہ ہے طاقت کی اپنی دھاک میاں
کہیں خود اپنے دھماکوں سے ہوں نہ خاک میاں
کئے ہیں دونوں نے اپنے لباس چاک میاں

دلاسہ دو نہ بہت دُور کے قیافوں سے
ہمیں فضول نہ بہلاؤ اب دھماکوں سے

مذاق اُڑانے لگے ہیں زمانے والے بہت
یونہی بتانے لگے ہیں زمانے والے بہت
ہمیں ڈرانے لگے ہیں زمانے والے بہت
یہی جتانے لگے ہیں زمانے والے بہت

گلوں کے بدلے ہیں نکلیں گے بم لفافوں سے
ہمیں فضول نہ بہلاؤ اب دھماکوں سے

خود اپنے پاؤں پہ ہم نے کلھاڑی ماری ہے
خود اپنے کندھوں پہ کیا اپنا سر ہی بھاری ہے
فقط تباہی کا نشہ ہی ہم پہ طاری ہے
کہیں پہ دن تو کہیں اپنی شب گزاری ہے

ہزاروں مرتے ہیں رہ رہ کے بھوک فاقوں سے
ہمیں فضول نہ بہلاؤ اب دھماکوں سے

ابھی "ترّی" کی ضرورت ہے اپنے کھیتوں کو
"ہری بھری" کی ضرورت ہے اپنے کھیتوں کو
ہنرُوری کی ضرورت ہے اپنے کھیتوں کو
مشینری کی ضرورت ہے اپنے کھیتوں کو
بہکنے والے نہیں ہم تمہارے خاکوں سے
ہمیں فضول نہ بہلاؤ اَب دھماکوں سے

سبھی کو علم ہے رکھتا ہے روس نیوکلیر
سبھی یہ جانتے ہیں وہ بھی ہے بڑا پاور[1]
جب اُس کو گھیر لیا بھوک پیاس نے آکر
تو ہو کے رہ گیا ٹکڑے معاش کی زد پر
نہ کام آتے دھماکے، لگے پٹاخوں سے
ہمیں فضول نہ بہلاؤ اب دھماکوں سے

خُدا کے بندے ہیں بس اُس کی بندگی کرلیں
اہنسا وادی ہیں، جیو ہتھیا کی نفی کرلیں
سکون و امن سے مِل جُل کے زندگی کرلیں
تو پاک و چین سے اَب آؤ دوستی کرلیں
سوائے خاک مِلے گا نہ کچھ، خرابوں سے
ہمیں فضول نہ بہلاؤ اَب دھماکوں سے

---

[1] POWER

توبہ کی دسویں سالگرہ پر

کر مجھ کو کامیاب کہ ناکامِ میکدہ
ساقی ہے تیرے ہاتھ میں انجامِ میکدہ

واعظ ترے بیان کی تاثیر دیکھ لے
ہے میکشوں کی بھیڑ سرِ شامِ میکدہ

توبہ نے میری میکدہ ویران کر دیا
آخر کو مجھ پہ آگیا الزامِ میکدہ

ہر شخص کو سکون ملے گا بقدرِ ظرف
کوشش میں ہیں لگے ہوئے حکّامِ میکدہ

جب سے ہُوا ہے شیخ سے پیرِ مغاں کا ساتھ
مسجد کے راستے میں ہے ہنگامِ میکدہ

ساقی صراحی جام سبو بے خودی شراب
ہر دم مرے لبوں پہ رہا نامِ میکدہ!

ہندو بھی سکھ بھی مسلم و عیسائی بھی یہاں
اک قوم بن گئے سبھی اقوامِ میکدہ

ساقی کی دل نوازیاں پیرِ مغاں کی چھوٹ
یاد آ رہا ہے آج بھی آرامِ میکدہ

رسوائی میرے ساتھ ہے توبہ کے بعد بھی
جامِ مئے ملا ہے مجھ کو یہ انعامِ میکدہ

توبہ کی دسویں سالگرہ پر

واعظ فقط یہی ہے تری شانِ میکدہ
کھلا رہا ہوں میں جو مسلمانِ میکدہ

ساقی نے لاکھ پردے میں رکھا تھا شیخ کو
بے پردہ خود ہی ہو گیا نادانِ میکدہ

پیرِ مغاں کو سب کی خبر ایک ساتھ ہے
اس کے سوائے کس کو ہے عرفانِ میکدہ

انسان کی تلاش تھی انسان مل گیا
جو رند ہے وہی تو ہے انسانِ میکدہ

ہم نے بھی پی اُسے بھی پلائی تمام شب
ساقی پہ ہم نے کر دیا احسانِ میکدہ

نظرِ عنایت اُس پہ ہے ساقی کی آج کل سے
لگتا ہے جو بھی شخص پریشانِ میکدہ

اتنا تو ہے کہ رِندِ بلا نوش کو کبھی
گھبرا کے چھوڑ دیتے ہیں ارکانِ میکدہ

صاحب سلامت اِسلئے ساقی سے اَب بھی ہے
جامیؔ بنا ہُوا تھا کبھی جانِ میکدہ

توبہ کے بعد بھی ہیں ہمارے ہی تذکرے
جامیؔ ہم آج تک بھی ہیں خاصانِ میکدہ

ادارۂ اقوامِ متحدہ

("یو ین او" کے منفی رول سے متاثر ہو کر)

وہ ادارہ جس کا منصب تھا جہاں میں منصفی
وہ ادارہ جس کا منصب تھا بقائے باہمی
وہ ادارہ جس کا منصب تھا غریبی کی نفی
وہ ادارہ جس کا منصب تھا حصولِ زندگی
اب وہی قزّاق ہے قاتل ہے اور سفاک ہے
اب وجود اس کا جہانِ امن میں ناپاک ہے

ساتھ "یو این او" کے سب ہیں اور ہے تنہا عراق
اس قدر ڈالا ہے امریکہ نے عربوں میں نِفاق
اب نہیں مسلم ممالک میں بھی کوئی اتفاق
روس کا بھی کھوکھلا تھا جس قدر تھا طمطراق
جو توازن تھا نظامِ عالمی کا کھو گیا
جب سے "یو این او" فقط امریکی اڈّا ہو گیا

یہ ادارہ "سامراجی دل" کا اڈّا بن گیا
یہ ادارہ کس قدر اعلیٰ تھا ادنیٰ بن گیا
اپنے منصب کو بھلا کر آج یہ کیا بن گیا
جو تھا منصف اب وہ خود ہی اک لیٹرا بن گیا
کیا بھلا اس سے بھلائی کی توقع ہم کریں
اب بھلا ہم اس کے کس کس رول کا ماتم کریں

اب نظامِ عالمی ہے کس قدر بگڑا ہوا
دیکھتے ہی دیکھتے بس روس ٹکڑے ہو گیا
آگے آگے دیکھئے اب غیب سے ہوتا ہے کیا
ایک انجانی ڈگر پر چل پڑا ہے قافلہ
راستہ تو ہی دکھا اب اے خدائے مہربان
آج ہم گمراہ ہیں اے رہنمائے دو جہاں

بوسنیا، چیچنیا ہو گئے خود سے جُدا
اپنی خود داری کا سودا آخرش کرنا پڑا
قتل یو این او نے آزادی کا خود ہی کر دیا
آگیا زد میں اب اس کی بے سہارا لیبیا
اب کہاں جائے کوئی فریاد اب کس سے کرے
پانچ ملکوں کی اجارہ داری سے دنیا ڈرے

●●

جتنے مہذب ملک ہیں اُن کا اِک حصہ ہوں
لیکن اُن کی ناانصافی کا قصہ ہوں
سربوں اور کروٹوں میں مر مر کے جیا ہوں
یورپ کا مظلوم مسلماں کہلاتا ہوں
یو این او کی خاطر سے محروم رہا ہوں
مجھ میں انساں بستے ہیں میں بوسنیا ہوں
مجھ کو بھی ہے اِس دُنیا میں جینے کا حق
مجھ کو بھی ہے بادۂ راحت پینے کا حق
مجھ کو بھی ہے چادرِ حرمت سینے کا حق
آزادی سے جینے کے تخمینے کا حق
یورپ کی تہذیب پہ لیکن اِک دھبہ ہوں
مجھ میں انساں بستے ہیں میں بوسنیا ہوں

میرا تماشا دیکھ رہے ہیں دنیا والے
منظر دکھ کا دیکھ رہے ہیں دنیا والے
خونیں نقشہ دیکھ رہے ہیں دنیا والے
کیسا سپنہ دیکھ رہے ہیں دنیا والے

سارے یورپ میں ابتک بھی میں تنہا ہوں
مجھ میں اِنساں بستے ہیں میں بوسنیا ہوں

صیہونی سازش کا نقشہ بن تو گیا ہے
اِس میں چاچا سام کا بھی اپنا حِصّہ ہے
عربوں کو بھی اپنی دولت کا نشہ ہے
سارا زمانہ میرے لئے گونگا بہرا ہے

ایسے میں میں اپنی حفاظت کو اُٹھا ہوں
مجھ میں انساں بستے ہیں میں بوسنیا ہوں

اے نئے سال تو اب بن کے مسیحا آجا

اے نئے سال حقیقت میں نیا روپ دِکھا
نہ کوئی جشن منا اور نہ کوئی شور مچا!
پچھلے سالوں تو فسادوں میں بہت خون بہا
"دھرم" کے نام پہ نفرت کی چلی تیز ہوا
مُلک میں چاروں طرف لوگوں کا سُکھ چین لُٹا
اے نئے سال تو اب بن کے مسیحا آجا

پچھلے برسوں میں قیادت نے کئی رُخ بدلے
پچھلے برسوں میں کئی پھول کِھلے نفرت کے
پچھلے برسوں میں فسادات کے جھکّڑ بھی چلے
پچھلے برسوں میں کئی نذرِ اجل لوگ ہوئے
ہر طرف مُلک میں بربادی کا طوفان اُٹھا
اے نئے سال تو اب بن کے مسیحا آجا

رتھ فسادات کا کِس شان سے سج کر نِکلا
روکنے والا بھلا آدمی کوئی بھی نہ تھا
لوگ مرتے رہے اور موت نے ٹانڈو ناچا
مُلک میں چاروں طرف ایک قیامت تھی بپا
اے نئے سال تجھے آنے سے کِس نے روکا
اے نئے سال تو اب بن کے مسیحا آجا

ظلم کے آگے وفا چُپ ہے عدالت چُپ ہے
ووٹ کے کھوٹ سے مجبور حکومت چُپ ہے
اقلیت سہمی ہوئی اور شرافت چُپ ہے
جانے کیا حشر ہو مظلوم حقیقت چُپ ہے
آج اِس دیس میں ہر سُو ہے فقط جور و جفا
اے نئے سال تو اب بن کے مسیحا آجا

یُوں تو کہنے کو مرا مُلک سیکولر بھی تو ہے
اور اس مُلک میں چھوٹا سا مرا گھر بھی تو ہے
اِسکے جل جانے کا ہر لمحہ مجھے ڈر بھی تو ہے
جُرمِ ناکردہ کا الزام مرے سر بھی تو ہے
کیا کرے وہ جو ہمیشہ سے وفادار رہا
اے نئے سال تو اب بن کے مسیحا آجا

آ نئے سال یہ دن رات بدلنے کیلئے
آ، پگھلتے ہوئے لمحات بدلنے کیلئے
آ عداوت بھرے جذبات بدلنے کیلئے
آ سُلگتے ہوئے حالات بدلنے کیلئے
ہے یہی میری تمنا ہے یہی میری دُعا
اے نئے سال تو اب بن کے مسیحا آجا

١٦١

تِری یولے

تجربے

کبھی گھر سے نکل کر بھی تو دیکھو
حسابوں سے کبھی تو جان چھوٹے
ذرا کچھ دُور چل کر بھی تو دیکھو
کبھی گھر سے نکل کر بھی تو دیکھو
ذرا خود کو بدل کر بھی تو دیکھو
کہ اس سود و زیاں کا کُفر ٹوٹے
کبھی گھر سے نکل کر بھی تو دیکھو
حسابوں سے کبھی تو جان چھُوٹے

ڈکیتی

ڈکیتی کا ہے سب پر خوف طاری
پریشاں ہو گیا ہے شہر سارا
عجب پھیلی ہوئی ہے بے قراری
ڈکیتی کا ہے سب پہ خوف طاری
شرافت کر رہی ہے آہ و زاری
خدا ہے بے سہاروں کا سہارا
ڈکیتی کا ہے سب پر خوف طاری
پریشاں ہو گیا ہے شہر سارا

محبّت میں نشہ ہونے لگا ہے
سہارا دو ذرا مجھ کو سنبھالو
خدا جانے یہ کیا ہونے لگا ہے
محبّت میں نشہ ہونے لگا ہے
کہ اب تو بارہا ہونے لگا ہے
یہ دردِ دل ہے دیکھو دنیا والو
محبّت میں نشہ ہونے لگا ہے
سہارا دو ذرا مجھ کو سنبھالو